Regd. No. MRD 54

Monthly **ALHASANAT** Rampur (U.P)

(Islamic Urdu Digest)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ

بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو دور کرتی ہیں

الحسنات

اسلامی اردو ڈائجسٹ

ستمبر ۱۹۷۶ء

ابو سلیم محمد عبدالحی

دس پیسے زیادہ

ایجنسی سے رسالہ خریدنے والے حضرات از راہِ کرم ہر رسالہ پر دس پیسے زائد ادا کریں تاکہ ہمارا ہزاروں روپے ماہانہ کا وہ ناقابلِ برداشت بار کسی حد تک کم ہو جائے جو رجسٹری اور وی۔ پی کی شرحوں میں غیر معمولی اضافہ کی وجہ سے ہم پر پڑ گیا ہے۔ لہٰذا ۶۰/۱ ادا کریں

منیجر

کہاں؟

اشاعت کا تیسواں سال

شمارہ نمبر ۱۰۰

مدیر، طابع و ناشر

محمد عبدالحی

ستمبر ۱۹۷۶ء کو رمضان ۱۳۹۶ھ

مطبوعہ :۔ جے کے آفسیٹ پرنٹرس دہلی

مقامِ اشاعت :۔ ادارہ الحسنات

پرانی گھنڈسار رامپور

ایک شمارہ کی قیمت :۔ ۲/۵۰

سالانہ کے لئے :۔ ۲۲/=

حُسنِ کار

فضیلت

خوشنویس

راحت علی خاں

اس دائرہ میں سُرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدتِ خریداری ستمبر کے شمارہ کے ساتھ ہی ختم ہو رہی ہے۔ ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں آپ کا تعاون عطا فرمایا اور امید کرتے ہیں کہ آپ نے اس مدت میں الحسنات کو بہت زیادہ پسند فرمایا ہو گا اور اس کا مطالعہ آپ کے لئے اور آپ کے گھر والوں کے لئے بہت نفع بخش رہا ہو گا۔ یہ اللہ کا بڑا فضل ہے کہ الحسنات کے ذریعہ بہت سے گھرانوں میں دینی فضا پیدا ہوتی ہے اور اسے بہت مقبولیت حاصل ہے۔ تمام اردو ڈائجسٹوں میں الحسنات بحمد اللہ ایک نمایاں مقام رکھتا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ آپ یہی پسند فرمائیں گے کہ یہ سلسلہ جاری رہے۔ اس لئے گذارش ہے کہ براہِ کرم اس اطلاع کے ملتے ہی سالانہ قیمت ۲۲/ روپے منی آرڈر سے روانہ فرما دیجئے۔ اگر آپ کی طرف سے قیمت ۲۰ ستمبر تک وصول نہیں ہوئی تو ہم یہی سمجھیں گے کہ آپ رسالہ وی۔پی سے منگانا چاہتے ہیں اس لئے اگلا رسالہ وی۔پی سے روانۂ خدمت ہو گا جو مع مصارف وی پی ۲۵/۵۰ کا ہو گا۔

مالکان : ادارہ الحسنات رام پور

فون نمبر : ۶۵۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن
ھدی للناس وبینٰت من الھدی
والفرقان فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ
رمضان وہ مہینہ ہے جس میں
قرآن نازل کیا گیا، جو انسانوں کے لئے سراسر ہدایت
ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہ راست
دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی
ہیں۔ لہٰذا اب سے جو شخص اس مہینے کو پائے، اس کو لازم
ہے کہ اس پورے مہینے کے روزے رکھے ——
البقرہ ۱۸۵

الحسنات کا یہ شمارہ جب آپ کے پاس پہنچے گا تو رمضان المبارک کا مہینہ شروع ہونے کے قریب ہی ہوگا۔ ہر مسلمان اس مہینہ کی برکتوں اور خوبیوں کا کچھ نہ کچھ علم ضرور رکھتا ہے اور اگر اس کے دل میں ایمان کی حرارت باقی ہے تو وہ ان مبارک ایام کے پانے پر مسرت بھی محسوس کرتا ہے۔ یوں تو رمضان سے لے کر عید تک بظاہر ہماری زندگی کے صرف ۲۹ یا ۳۰ دن ہی گزرتے ہیں لیکن یہ مدت اتنی اہم ہے کہ ان میں زندگی کے اعلیٰ مقاصد تک پہنچنے کے لئے بہت کچھ کیا جاسکتا ہے۔

روزہ ایک عبادت ہے، یہ ایک ایسی اہم عبادت ہے جسے تقریباً ہر مذہب نے کسی نہ کسی شکل میں اپنے یہاں رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے روزوں کی فرضیت کا حکم دیتے ہوئے بھی یہی ارشاد فرمایا کہ "اے ایمان لانے والو! تم پر روزے فرض کر دیئے گئے جس طرح ان لوگوں پر فرض کئے گئے تھے جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں" اور اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ اس عبادت کے انجام دینے سے تمہارے اندر تقویٰ کی صفت پیدا ہوگی۔ روزے کے حکم سے یہ مقصود نہیں ہے کہ تمہارا فاقے کرنا اور اپنے جسم کو تکلیف اور مشقت میں ڈالنا کوئی ایسی بات ہے جس کا کوئی فائدہ اللہ کو پہنچتا ہو، بلکہ اس کا اصل مقصود یہ ہے کہ تمہارے

نفس کی اصلاح ہو، تمہارے اندر پاکی اور نیکی کی صفت پیدا ہو۔ روزہ رکھنے سے تمہارے اندر پرہیزگاری کی قوت پیدا ہوگی۔ اور تم اس نفس کو قابو میں رکھنے کے قابل بن سکو گے جو ہر موقع پر انسان کو اللہ کی پسندیدہ راہ سے ہٹانے میں سرگرم رہتا ہے۔

عبادت کیا ہے؟ قرآنِ کریم اسے انسانی زندگی کا اعلیٰ ترین مقصود ٹھہراتا ہے۔ کہا گیا ہے کہ جن اور انسان عبادت ہی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔

عبادت کے معنیٰ کیا ہیں؟

عبدُ بندے اور غلام کو کہتے ہیں۔ ہر وہ طرزِ عمل جو کوئی غلام اپنے آقا کے مقابلے میں اختیار کرتا ہے یا اُسے اختیار کرنا چاہیئے اسی کو بندگی کہتے ہیں۔

عام طور پر عبادت صرف وقتی ہوتی ہے۔ نماز ہو یا روزہ انسان ایک مقررہ وقت ہی میں اُسے ادا کرتا ہے۔ روزے کے بھی چند گنے ہوئے دن ہیں لیکن حقیقت میں یہ وقتی عبادتیں انسان کی پوری زندگی کو خدا کی اطاعت و فرماں برداری کا نمونہ بنانے کے لئے ایک ذریعہ ہیں اسی طرح روزے بھی انسانی زندگی کے رخ کو خدا کی اطاعت اور فرماں برداری کی طرف موڑنے کے لئے چند گنے ہوئے دن ہیں۔ پھر اس پر بھی یہ رعایت ہے کہ اگر کوئی بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اُسے اجازت ہے کہ روزے نہ رکھے اور دوسرے دنوں میں روزے رکھ کر روزے کے دنوں کی گنتی پوری کرلے پھر یہ بھی اجازت ہے کہ اگر کسی کے لئے روزہ رکھنا ناقابلِ برداشت ہو جیسے نہایت بوڑھے لوگ کہ نہ تو ان میں روزہ رکھنے کی طاقت ہے اور نہ یہ اُمید ہی ہے کہ آگے چل کر ان میں اتنی طاقت آجائے گی کہ وہ چھوٹے ہوئے روزے پھر سے رکھ سکیں تو وہ روزہ کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کریں۔

یہ سب کیا ہے۔ یہ دراصل پوری زندگی کو اطاعت و فرماں برداری کے رنگ میں رنگ دینے کے لئے ایک تدبیر ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ کوئی خود بھوکا رہے یا نہ رہے یا کسی دوسرے کو کھانا کھلادے۔ ان سب چیزوں کو زندگی کا اعلیٰ مقصد تو نہیں کہا جا سکتا۔ اور نہ ان کاموں سے زندگی کا کوئی بنیادی مسئلہ حل ہوتا ہے۔

یہ تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ اسلامی شریعت میں رمضان اور قرآن کو بڑی مناسبت ہے۔ رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا یا نازل ہونا شروع ہوا۔ قرآن کیا ہے، انسانوں کے حق میں اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ ہر انسان اللہ تعالیٰ کی ان بے شمار نعمتوں سے فائدہ اُٹھاتا ہے جو اس نے انسانی زندگی کو برقرار رکھنے اور انسانوں کو زندگی کا لطف اُٹھانے کے لئے مہیا فرمائی ہیں، سورج کی روشنی، آسمان سے برسنے والا پانی، زمین سے اُگنے والی بے شمار نباتات، زمین پر پائے جانے والے اَن گنت حیوانات، غرض یہ کہ بے شمار نعمتیں ہیں جن سے انسانی زندگی برقرار رہے اور وہ سب انسانوں کے لئے آرام و آسائش کا سامان ہیں لیکن ان ساری نعمتوں کے بعد اگر انسان کو یہی نہ معلوم ہوتا کہ وہ خدا کی بخشی ہوئی زندگی کو کس طرح گذارے، اپنے اس آقا کو کیسے خوش کرے جس نے پیدا بھی کیا اور یہ سب سامانِ زیست مہیا بھی فرمایا تو کیا یہ ایک بہت بڑی کمی نہ ہوتی۔ زندگی ہوتی لیکن بھٹکتی ہوئی۔ یہ قرآن ہی تو ہے جو انسانوں کے لئے سراسر ہدایت ہے۔ اس میں ہی تو وہ واضح تعلیمات موجود ہیں جو انسان کو زندگی کی ہر راہ میں سیدھا راستہ دکھانے والی ہیں اسی میں تو وہ روشنی ہے جس کے حق اور باطل کا فرق تم اچھی طرح سمجھ سکتے ہو یہ گراں قدر نعمت اسی رمضان کے مہینے میں عطا کی گئی۔ قرآن اور رمضان ایک دوسرے سے بالکل متعلق ہیں۔ اس مہینہ میں روزہ جیسی عبادت فرض کرنے کی غرض یہ بھی تو ہے کہ تم اس عظیم الشان نعمت پر جو قرآن کی شکل میں ادا کی گئی ہے اللہ کا شکر ادا کرو۔

شکر ادا کرنے کی بہتر صورت کیا ہے؟

خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ کسی نعمت کی شکر گذاری اور کسی احسان کے ماننے کی بہتر صورت یہی ہے کہ تم اپنے آپ کو اُس مقصد کی تکمیل کے لئے زیادہ سے زیادہ تیار کرو جس کے لئے دینے والے نے تمہیں وہ نعمت دی ہو۔ تمہیں قرآن عطا کیا گیا۔ یہ اسی لئے تو ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی رضا کا راستہ جان لو۔ خود اس راستہ پر چلو اور دنیا کو وہ راستہ دکھاؤ جس پر چل کر وہ ہمیشہ کی کامیابی پا سکے۔ اس مقصد کے لئے تیاری کا بہترین ذریعہ روزہ ہے۔ لہٰذا اس مہینہ میں جس میں قرآن اترا۔ روزہ رکھنا ایک بہترین

عبادت اور اخلاقی تربیت کا ایک اچھا ذریعہ تو ہے ہی لیکن ساتھ ہی ساتھ قرآن جیسی نعمت کے شکر گذاری کی ایک صورت بھی ہے۔

اللہ کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمہیں زندگی میں پھر ایک بار یہ مہلت عطا فرمائی کہ تم روزہ رکھ سکو۔ لہٰذا اب تم میں سے جو کوئی بھی اس مہینے کو پائے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس پورے مہینے کے روزے رکھے، ہاں کوئی بیمار ہو، یا سفر کی حالت میں ہو تو وہ دوسرے دنوں میں روزے کی گنتی پوری کرلے' سفر کی حالت میں روزہ رکھنے کا فیصلہ کرنا تمہارے اوپر ہے، تم روزہ رکھ بھی سکتے ہو اور چھوڑ بھی سکتے ہو۔ اگر سفر سخت ہو اور ناقابلِ برداشت تکلیف کا اندیشہ ہو تو روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں۔ ہاں سفر آسان ہو اور ہر طرح کی سہولتیں ہوں جیسی کہ آج کل عام طور پر ریلوں اور ہوائی جہازوں کے سفر میں ملتی ہیں' میسر ہوں تو روزہ رکھنا ہی بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ دین کے معاملات میں تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے سختی کرنا نہیں چاہتا۔ اب تمہارے لئے لازم ہے کہ تم روزے کے ایام کی گنتی پوری کرو اور اللہ کو بزرگی اور عظمت کے ساتھ یاد کرو کہ اس نے تمہاری ہدایت کا کیا انتظام فرمایا۔ تم اس کی شکر گذاری کروگے' روزے سے وہ مقصد حاصل کرنا چاہو گے جس کے لئے روزہ فرض کیا گیا ہے تو تمہارے نفس کی اصلاح ہوگی اور تم خدا کی خوشنودی حاصل کرسکو گے۔ خدا تو تمہارے قریب ہی ہے' وہ ہر حال میں تمہاری پکار سننے والا ہے وہ شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ بندہ جب بھی ایمان اور اخلاص کے ساتھ اسے پکارتا ہے تو وہ اس کی پکار سنتا ہے اور جواب دیتا ہے۔ بندہ جب چاہے اس سے عرض معروض کرسکتا ہے۔ تم دل ہی دل میں اس سے کچھ مانگو تب بھی وہ سن لیتا ہے اور صرف سنتا ہی نہیں بلکہ اس پر فیصلہ بھی صادر فرماتا ہے تو پھر یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ ایسے مہربان مالک کے ہوتے تم اپنی نادانی سے کسی اور کے آگے ہاتھ پھیلاؤ' دوسروں کو اپنا الٰہ اور رب بناؤ، کسی دوسرے میں کوئی طاقت نہیں' ساری کائنات کا فرماں روا وہ خود ہے۔ یہاں اس کے سوا کسی دوسرے کا حکم نہیں چلتا۔ بڑی بدنصیبی ہے کہ وہ تم سے اتنا قریب ہے' ہر حال میں تمہاری دعائیں سنتا اور ان پر فیصلے صادر فرماتا ہے اور تم اسے چھوڑ کر واسطے، وسیلے اور سفارشیں تلاش کرتے پھرو اور اپنے بنائے

ہوئے بے اختیار خداؤں کے در پر نارے مارے پھرو، یہ بڑی نادانی ہے۔ وہ تمہیں پکارے کہ میرا دامن پکڑ لو۔ میری طرف آؤ، مجھ سے مانگو اور تم بدحواسی میں ادھر اُدھر دوڑتے پھرو، کبھی اس کا دامن پکڑو، کبھی اُس کا، کبھی اس آستانہ سے آس لگاؤ اور کبھی اُس آستانہ سے، کبھی یہاں ہاتھ پھیلاؤ اور کبھی وہاں۔

ہم سب کو اللہ کا شکر گذار ہونا چاہیئے کہ اس نے ہماری مہلتِ عمل میں اتنی وسعت عطا فرمائی کہ ہم ایک بار پھر رمضان کے ایّام سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ ہم نے اس شمارے میں کچھ مضامین رمضان کی مناسبت سے شامل کئے ہیں۔ ہمیں اُمید ہے کہ ان کے مطالعہ سے آپ کے اندر روزوں کا شوق پیدا ہوگا اور روزہ جیسی عبادت کو بہتر طریقہ پر انجام دینے کے لئے جذبات اُبھریں گے خدا کرے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ ان سے وہی فائدے اُٹھا سکیں جو مطلوب ہیں۔ رمضان کے مہینہ میں قرآن سے زیادہ سے زیادہ مناسبت پیدا کرنا، اسے پڑھنا اور سمجھنا بہت بڑی سعادت ہے اس فائدے کی طرف سے غفلت نہ برتئے۔ جہاں تک ممکن ہو زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی صورتیں پیدا کیجئے۔ بہت ہی مبارک ہیں وہ لوگ جو اس مہینہ میں قرآن کے مطالعہ کے لئے کچھ اجتماعی نشستوں کا اہتمام کر سکیں۔ قرآن پڑھا جائے، سمجھا جائے اور لوگوں میں یہ حوصلہ پیدا کیا جائے کہ وہ اپنی زندگیوں میں زیادہ سے زیادہ قرآنی رنگ پیدا کر سکیں۔ قرآن میں عقائد کی تعلیم ہے اعمال کی ہدایات ہیں۔ اخلاق و معاشرت کے اصول ہیں غرض یہ ہے کہ بہت کچھ ہے جس کی ہمیں ضرورت ہے ان اجتماعی صحبتوں میں کوشش کرنا چاہیئے کہ متعین طور پر ایسی باتیں لوگوں کے سامنے آجائیں جنہیں وہ اختیار کرنے کی کوشش کریں اور ایسی باتیں آجائیں جن سے پرہیز کریں۔ موجودہ ماحول میں قرآن خوانی اور قرآن فہمی کے لئے ایسی مجلسوں کا قیام بہت اہم کام ہے۔ قرآن میں ہمارے لئے سب کچھ ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اس میں سے اپنے ظرف کے مطابق اپنا حصہ حاصل کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ان ایّام سے فائدہ اُٹھانے کی سعادت عطا فرمائے اور قرآن کو ہمارے لئے زندگی کا نور بنا دے

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

صبر اور شکر کا مہینہ

درسِ قرآن

ابوسلیم

فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُونَ ۝ بِأَيِّكُمُ الْمَفْتُونُ ۝ إِنَّ رَبَّكَ
هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ
فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِينَ ۝ وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ ۝ وَلَا
تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَهِينٍ ۝ هَمَّازٍ مَشَّاءٍ بِنَمِيمٍ ۝ مَنَّاعٍ
لِلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ۝ عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ ۝ أَنْ كَانَ
ذَا مَالٍ وَبَنِينَ ۝ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝
سَنَسِمُهُ عَلَى الْخُرْطُومِ ۝

ترجمہ: "عنقریب تم بھی دیکھ لوگے اور وہ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے کون جنون میں مبتلا ہے تمہارا

رب ان لوگوں کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں اور وہی ان کو بھی اچھی طرح جانتا ہے جو راہِ راست پر ہیں، لہٰذا تم ان جھٹلانے والوں کے دباؤ میں ہرگز نہ آؤ۔ یہ تو چاہتے ہیں کہ کچھ تم مداہنت کرو تو یہ بھی مداہنت کریں۔ ہرگز نہ دبو کسی ایسے شخص سے جو بہت قسمیں کھانے والا بے وقعت آدمی ہے، طعنے دیتا ہے، چغلیاں کھاتا پھرتا ہے، بھلائی سے روکتا ہے، ظلم و زیادتی میں حد سے گزر جانے والا ہے، سخت بداعمال ہے، جفا کار ہے اور ان سب عیوب کے ساتھ بداصل ہے۔ اس بنا پر کہ وہ بہت مال و اولاد رکھتا ہے جب ہماری آیات ان کو سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے، یہ تو اگلے وقتوں کے افسانے ہیں۔ عنقریب ہم اس کی سونڈ پر داغ لگائیں گے۔"

جیسا کہ پہلے بھی لکھا جا چکا ہے، سورۃ القلم اس دور کی نازل شدہ سورۃ ہے جب مکہ میں مخالفت اچھی خاصی زوروں پر تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی مجنون کہا جاتا اور کبھی شاعر اور جادوگر کے نام سے پکارا جاتا۔ ان حالات میں نبی صلعم اور آپ کے ساتھیوں کی تسلی کے لئے کہا جا رہا ہے کہ ابھی ان کی نازیبا باتوں پر صبر کیجئے بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے جب یہ معلوم ہو جائے گا کہ کون مجنون ہے اور کون شاعر و ساحر۔ تمہارا معاملہ اپنے خدا سے ہے اور وہ خوب جانتا ہے کہ کون سیدھے راستے پر ہے اور کون راہ سے بھٹکا ہوا ہے۔ اُن کے سارے ہتھکنڈے اسی لئے ہیں کہ تم اُن کے دباؤ میں آکر اپنی دعوت کو چھوڑ دو اور وہ بولی بولنے لگو جو یہ چاہتے ہیں۔ حق کے مخالفوں کا ہمیشہ یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ دلیل کی بنیاد پر مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس لئے مختلف طریقوں سے وہ دباؤ ڈالتے ہیں کہ حق کے داعی کچھ اپنے مقام سے ہٹیں۔ ان کی غرض ایک ہی ہوتی ہے کہ اگر حق کے علمبردار اپنی دعوت کے معاملہ میں کچھ ڈھیلے پڑ جائیں تو وہ بھی مخالفت میں کچھ نرمی اختیار کریں، اُن کی بھرپور کوشش یہی ہوتی ہے کہ یہ لوگ ان کی رعایت سے اپنے دین میں کچھ ترمیم کرنے پر آمادہ ہو جائیں تو پھر وہ بھی دوستی کا ہاتھ بڑھائیں اور مخالفت چھوڑ دیں لیکن اس موقع پر وضاحت کے ساتھ اہلِ حق کو تاکید کی جا رہی ہے کہ تم ہرگز اس قسم کا کوئی دباؤ قبول

ذکر ناحق سربلندی کے لیے ہوتا ہے باطل کے آگے وہ گھٹنے کبھی نہیں ٹیکتا۔

آیات نمبر ۱۰ سے ۱۶ تک ایک ایسے کردار کی خصوصیات کا بیان کیا گیا ہے جو اس وقت مکہ کی سوسائٹی میں جانا پہچانا تھا لیکن قرآن میں اس کا نام نہیں لیا گیا ہے اور یہ قرآن کا مخصوص انداز خطاب ہے وہ شخصیتوں کے بجائے ان کی نازیبا صفات کو نشانہ بناتا ہے اور اس طرح ان کی اصلاح کرنا چاہتا ہے۔ پھر اس میں یہ پہلو بھی بہت اہم ہے کہ شخصیتیں بہر حال وقتی ہوتی ہیں اور کردار کی خصوصیات مستقل حیثیت رکھتی ہیں اس انداز کلام کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اصل چوٹ ان خصوصیات پر پڑتی ہے اور یہ جب اور جہاں پائی جائیں گی وہیں وہ بات صادق آجائے گی جو قرآن پیش کر رہا ہے۔

ان آیات میں چند خصوصیات کو نشانہ بنایا گیا ہے مثلاً یہ کہ وہ بات بات پر قسم کھاتا ہے ۔ یہ کسی شخص کے ذلیل اور گھٹیا ہونے کی پہچان ہے۔ وہ بات بات پر اس لئے قسم کھاتا ہے کہ اسے خود یہ احساس ہوتا ہے کہ لوگ سے جھوٹا سمجھتے ہیں اور جب تک وہ قسموں پر قسمیں نہ کھائے تو لوگ اس کی بات کا یقین نہیں کریں گے' یا یہ کہ وہ چغلیاں کھاتا پھرتا ہے۔ ادھر ادھر کی لگاتا ہے اور یہ بھی دراصل احساس کہتری کی ایک بہت نمایاں علامت ہے وہ دوسروں کو اس لئے گراتا ہے کہ لوگ خود اسے بڑا سمجھیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوتا۔ تھوڑے ہی دنوں میں لوگ سمجھ لیتے ہیں کہ وہ کیسا آدمی ہے۔ اس کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ بھلائی سے روکتا ہے اور اسے پسند نہیں آتا کہ نیکیاں پھیلیں اور بھلائیوں کو فروغ حاصل ہو۔ قرآن میں خیر کا لفظ استعمال ہوا ہے اس کے معنی مال کے بھی ہیں۔ اس صورت میں مفہوم یہ ہوگا کہ وہ مال کو روکتا ہے یعنی کنجوس اور بخیل ہے اور جہاں مال خرچ کرنا چاہیئے وہاں وہ خرچ نہیں کرتا۔ اس کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ ظلم اور زیادتی کرنے والا ہوتا ہے اور سوائے اپنا پیٹ پالنے کے اسے کسی چیز سے دلچسپی نہیں ہوتی۔ وہ بدمزاج جھگڑالو اور ظالم ہوتا ہے۔

جو کردار سامنے ہے اس کی خصوصیت کا بھی ذکر کر دیا گیا ہے کہ وہ اصل اور نسب کے اعتبار سے بھی معیاری شخص نہیں ہے اور محض اس بنا پر کہ اس کے پاس مال و دولت زیادہ ہے اور اس کی اولاد زیادہ ہے' وہ کسی بات کے سننے کے لئے آمادہ نہیں ہوتا۔ ہر سنجیدہ بات کو سن کر وہ ادھر ادھر اڑا دیتا ہے۔ کہتا ہے کہ یہ اگلے وقتوں کے افسانے ہیں لیکن اہل حق کو کسی ایسے شخص کی دھونس قبول نہیں کرنا چاہیئے۔ اگر وہ اپنے آپ کو بڑی ناک والا سمجھتا ہے تو اس ناک پر بھی داغ لگایا جائے گا۔ مراد یہ کہ کسی نہ کسی موقع پر وہ ضرور ذلیل اور خوار ہو کر رہے گا۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں تو لازماً ہمیشہ کے لئے ذلت و خواری ہی اس کے نصیب میں ہوگی۔

درسِ حدیث

روزہ اور رمضان

رمضان نیکیوں کا موسمِ بہار

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ :-

"اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں ۔" (متفق علیہ)

اِس ارشادِ مبارک کے مخاطب وہ سچے اہلِ ایمان ہیں جو نہایت صالح اور متقی تھے، اللہ تعالیٰ سے ڈر کر زندگی بسر کرنے والے اور اس کی ہدایات کی پیروی کرنے والے تھے۔ ان سے حضورؐ نے فرمایا کہ جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ اس ارشاد سے لوگوں کو جو بات سمجھائی گئی ہے وہ یہ کہ رمضان کی آمد کے بعد جتنی نیکیاں کر سکتے ہو کرتے چلے جاؤ، جنت کے سب دروازے تمہارے لئے کھلے ہیں۔ اگر صدقہ وخیرات کے دروازے سے جنت میں پہنچ سکتے ہو تو صدقہ وخیرات کے دروازے سے پہنچو۔ اگر روزے کے دروازے سے پہنچ سکتے ہو تو روزے کے دروازے سے پہنچو، اگر ذکر، تلاوتِ قرآن اور عبادت کے راستہ سے داخل ہونا چاہتے ہو تو اس راستے سے پہنچو اگر برائیوں سے پرہیز اور خدا کے خوف کے ذریعہ سے پہنچ سکتے ہو تو یہ ذریعہ اپناؤ۔ غرض یہ کہ اب تمہارا کام ہے کہ تم اپنے آپ کو جنت کے لائق بنا لو، تم جس راستہ سے بھی اس میں داخل

ہونا چاہو گے ہر دروازہ اپنے لئے کھلا پاؤ گے۔

پھر یہ جو فرمایا کہ جہنم کے دروازے بند ہو جاتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ عام دنوں کے مقابلہ میں رمضان کے مہینہ میں ایک مسلمان کے لئے برائیوں کے امکانات بہت کم ہو جاتے ہیں اور چونکہ عبادت اور روزہ کا ذوق وشوق اس کے اندر زیادہ سے زیادہ نیک اعمال کرنے کی تحریک پیدا کرتا ہے اس لئے خود بخود اس کے قدم ان برائیوں سے دور ہوتے چلے جاتے ہیں جن کے راستے سے جہنم میں پہنچ جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔

تیسری بات فرمائی کہ شیاطین باندھ دیئے جاتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس مہینے میں نیکیاں پروان چڑھتی ہیں اور شیطانی کارفرمائیاں رک جاتی ہیں۔ اس زمانے میں قدم قدم پر ایسی صورتیں اور ضرورتیں پیش آتی ہیں کہ آدمی کو زیادہ سے زیادہ اللہ کی طرف متوجہ ہونے اور اس کو یاد کرنے کا موقع ملتا ہے۔ اسے پیاس لگتی ہے تو وہ پانی نہیں پیتا بلکہ یہ خیال تازہ کرتا ہے کہ میں نے اپنے رب کی خوشنودی کے لئے روزہ رکھا ہے۔ اسی طرح اسے بھوک لگے گی یا کوئی اور لذت سامنے آئے گی تو وہ اس سے صرف اس تصور کی بنا پر پرہیز کرے گا کہ اس نے خدا کے لئے روزہ رکھا ہے۔ پھر وہ افطار کرے گا تو خود بخود اس کے اندر یہ احساس پیدا ہوگا کہ اب تک تو میرے رب نے مجھے پابند کر رکھا تھا، اب اجازت دی ہے تو میں اس کی نعمت سے فائدہ اٹھا رہا ہوں غرض ہر ہر دن میں بے شمار ایسے مواقع ہوتے ہیں جو پہلے سے زیادہ خدا کی طرف یکسوئی اور روحانی تازگی کا سبب بنتے رہتے ہیں پھر کیا ایسی فضا اور ایسی روحانی کیفیت میں کسی سچے اور متقی مسلمان کے لئے یہ امکان رہ جاتا ہے کہ وہ اپنے بارے میں کسی شیطانی کارروائی کو کامیاب ہونے دے۔ بھلا ایسے ماحول میں جہاں روحانی ترقی سیرت و کردار کی تعمیر اور خدا کی طرف یکسوئی کی فضا طاری ہو کیا شیطانی کاروبار بھی قائم رہ سکتا ہے اس لئے فرمایا گیا ہے کہ جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور شیاطین باندھ دیئے جاتے ہیں ـــ البتہ اس سلسلہ میں اتنی بات ضرور ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ ایسی پاکیزہ فضا اور نیکیوں کی ترقی کی بات ایک

صالح اور متقی معاشرہ نہیں پیدا ہو سکتی ہے اور وہیں صحیح معنوں میں یہ سارے فوائد حاصل ہو سکتے ہیں، ورنہ رمضان ہی کے زمانہ میں اگر کوئی شخص شرک یا دوسرے گناہوں کے کاموں میں پھنس جائے تو اس کے لئے جہنم کے سارے دروازے کھل جاتے ہیں اور جنت کا ایک ایک دروازہ بند ہو جاتا ہے

روزہ اور قرآن شفاعت کریں گے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "روزہ اور قرآن بندے کی شفاعت کرتے ہیں۔ روزہ کہتا ہے اے رب! میں نے اس کو دن بھر کھانے پینے اور شہوات سے روکے رکھا تو اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما۔ پس دونوں کی سفارش قبول فرمائی جائے گی۔" (بیہقی)

یہ بات ہر شخص کو معلوم ہے کہ ہر انسان کے سب سے بڑے شفیع خود اس کے اعمال ہیں۔ انسان کے صالح اعمال خود اپنے اندر شفاعت کا یہ مفہوم رکھتے ہیں کہ "اے رب یہ بندہ نیکیاں کر کے آیا ہے لہٰذا اسے معاف فرما دیجئے۔" قرآن کی تلاوت اور روزہ داری بھی شفاعت کا ذریعہ ہیں۔ جب روزہ اللہ کے حضور پیش کیا جاتا ہے کہ اس بندے نے روزہ رکھا ہے تو اس پیشی کے ساتھ یہ شفاعت بھی موجود ہوتی ہے یہ بندہ آپ کی خاطر بھوکا پیاسا رہا۔ یہ چھپ کر کھا پی سکتا تھا اور دوسری خواہشات پوری کر سکتا تھا۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا، لہٰذا اس کے قصور معاف کر دیئے جائیں۔ اسی طرح تلاوت قرآن کا پیش کیا جانا ہی ایک طرح کی سفارش ہے کہ اس بندے نے دن بھر کے روزے سے تھکا ماندہ ہونے کے باوجود آپ کی رضا جوئی کی خاطر رات کو (نماز میں) قرآن پڑھا ہے اس لئے اس پر رحم فرمایا جائے ـــ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اللہ تعالیٰ روزے اور قرآن مجید کی شفاعتیں بندے کے حق میں قبول فرما لیتا ہے ـــ ساتھ ہی ساتھ اس حدیث سے یہ اندازہ بھی خوب اچھی طرح لگایا جا سکتا ہے کہ رمضان اور قرآن کو ایک دوسرے سے کتنی زبردست مناسبت ہے

رمضان کی آخری رات اُمت مسلمہ کی مغفرت کی رات

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "رمضان کی آخری رات کو میری اُمت کی مغفرت ہو جاتی ہے،" صحابہ کرامؓ نے عرض کیا۔ اے اللہ کے

رسولؐ کیا یہی وہ لیلۃ القدر ہے، آپ نے فرمایا نہیں، بلکہ مزدور کو اس کی مزدوری اس وقت دی جاتی ہے جب وہ اپنا کام مکمل کر لیتا ہے۔" (مسند احمد)

جس طرح ایک مزدور اپنا کام مکمل کر لینے کے بعد مزدوری کا حق دار ہوتا ہے اور اسے مزدوری دی جاتی ہے اسی طرح آپؐ کے ارشاد کے مطابق اُمتِ مسلمہ رمضان کے تیس دن گذارنے کے بعد اَجر کی حق دار ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ یہ اجر یا مزدوری اس طرح عطا فرماتا ہے کہ اس امت کی مغفرت ہوجاتی ہے لیکن یہاں کسی کو یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیئے کہ یہ مغفرت ان لوگوں کے لئے بھی ہے جو نہ روزے رکھیں، نہ روزے کا احترام کریں۔ اور نہ دوسرے احکام کی پیروی کریں بلکہ یہ صرف اُن لوگوں کا حق ہے جو پورے ذوق و شوق کے ساتھ روزے رکھتے ہیں اور خدا کی ہدایتوں کی پیروی کرتے ہیں۔ یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خود اس مثال میں چھپی ہوئی ہے کہ مزدور کو مزدوری اس وقت دی جاتی ہے جب وہ کام مکمل کر لیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر کوئی مزدور اپنے کام میں جی چُرائے، یا اس کے کرنے سے انکار کرے، حتیٰ کہ اپنی حرکتوں سے اس کا مذاق اُڑائے تو کون ایسا داتا انسان ہوگا جو ایسے مزدور کے ساتھ نہایت احترام اور نوازش کے ساتھ پیش آئے گا۔ ٹھیک اسی طرح مغفرت کا حق ان لوگوں کو کب پہنچتا ہے جن کی بے راہ رَوی اور سرکشی میں رمضان میں کچھ اور زیادتی ہی ہوجاتی ہے۔ روزہ رکھنا تو درکنار وہ برسرِ عام بے تکلفی سے کھاتے پیتے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض بدبخت تو روزے اور روزہ داروں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اُس رات مغفرت تو کیا ایسے لوگوں کے خلاف سخت قسم کا فوجداری مقدمہ (PROSECTION CASE) مکمل ہوجاتا ہوگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد جس زمانہ کا ہے اس وقت یہ تصور بھی نہ تھا کہ کوئی شخص مسلمان بھی رہے اور پھر روزہ بھی نہ رکھے۔ اُس وقت ساری اُمت رمضان کو نیکیوں کی بہار سمجھ کر روزہ، ذکر، تلاوتِ قرآن، قیام لیل اور صدقہ و خیرات میں مصروف ہوتی تھی۔ اسی امت کی مغفرت کا یہاں ذکر ہے۔ اور بعد کے لوگوں میں وہی لوگ اس امت میں شمار ہوں گے جو انہی کی طرح رمضان کے زمانہ میں عملِ صالح اور عبادت وغیرہ کا نمونہ پیش کریں گے۔

اگر آپ سالانہ خریدار نہیں تو خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر ضرور لکھیں۔

"امام ابو یوسف حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نامور شاگرد تھے۔ وہ خلافتِ عباسیہ کے قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) بھی رہے۔ اُن کا بچپن بڑے فقر و فاقہ میں گذرا۔ جوان ہوئے تب بھی انہوں نے اپنے طرزِ زندگی میں فرق نہ آنے دیا اور کبھی زبان پر ناشکری کے الفاظ نہ آنے دیئے۔

عبداللہ ابن مبارک کہتے ہیں: ایک بار میں ان کے پاس گیا تو مجھ سے افلاس کی شکایت کی جب چلنے لگا تو دیکھا کہ مٹی کا ایک میلا سا برتن ان کے پاس رکھا ہے۔ اتفاق سے اُٹھتے وقت برتن کو میرا ہاتھ لگ گیا اور وہ لڑھک کر ٹوٹ گیا۔ ان کی تیوری پر بل پڑ گئے اور رنگ فق ہو گیا لیکن زبان سے کچھ نہ کہا۔ میں نے پوچھا۔

"کیا بات ہے؟"

فرمایا" یہی ایک برتن تھا جس سے میں اور میری والدہ وضو کرتے تھے اور اسی سے پانی بھی پیتے تھے۔

میں بے حد متاثر ہوا اور انہیں کچھ رقم دی۔

انہی ابو یوسفؒ کو آگے چل کر اللہ نے مال و اسباب کی کثرت عطا کی۔ پھر اپنے علم و تفقہ کی بدولت خلافتِ عباسیہ کے چیف جسٹس مقرر ہوئے لیکن اس پر نہ وہ کبھی مغرور ہوئے اور نہ کبھی دروازہ پر دربان بٹھایا، بلکہ آخر دم تک طالب علم کی سی زندگی بسر کی۔ پھر بھی اپنے

پاس دنیاوی سازوسامان رکھنے پر ہمیشہ فکر مند رہے آخری زمانے میں فرمایا کرتے تھے۔

کاش! میں فقر و فاقہ ہی کی حالت میں دنیا سے رخصت ہو جاتا اور یہ عہدۂ قضا قبول نہ کرتا۔

چیف جسٹس کی حیثیت سے انہیں دو ہزار روپے سے زیادہ تنخواہ ملتی تھی۔ ہارون الرشید کے دربار سے جو ہر سال لاکھوں روپے کے انعامات ملتے تھے وہ الگ تھے۔ وفات کے وقت ان کے پاس خاصی دولت تھی جب دنیا سے رخصت ہونے لگے تو وصیت کی کہ میری ساری دولت غریبوں میں تقسیم کر دی جائے۔ چنانچہ تقریباً چار لاکھ روپے مکہ، مدینہ، کوفہ اور بغداد کے غریبوں میں تقسیم کئے گئے۔

امام ابو یوسفؒ بڑے نرم دل اور فیاض تھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ احساسِ ذمہ داری بھی بے حد رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کی کہ میں نے فلاں شخص سے آپ کی طرف سے ایک خط لکھ کر لاتنے روپے حاصل کر لئے تھے، اب وہ ان روپوں کا تقاضا کر رہا ہے میری جان اس سے چھڑا لیجئے۔ امام ابو یوسفؒ نے حکم دیا کہ اس کو قید کر دو اور فرمایا:

"جب تک روپیہ واپس نہ کرو گے قید سے رہائی نہیں مل سکتی۔"

اس شخص نے کہا: "میں نے ایک بار اسی طرح آپ کے اُستاد امام ابو حنیفہؒ کی طرف سے ایک فرضی خط ایک شخص کو لکھ کر روپے حاصل کئے تھے مگر جب میں نے انہیں اس بات کی اطلاع دی تو انہوں نے وہ روپیہ میری طرف سے اُدا کر دیا تھا اور فرمایا تھا جس شخص کے متعلق خیال ہو کہ وہ میرا خط دیکھ کر تمہیں روپے دے دے گا اُسے خط لکھ کر روپیہ منگوا لیا کرو۔ آپ بھی انہی کے شاگرد ہیں، آپ سے بھی مجھے یہی توقع تھی۔

امام ابو یوسفؒ نے فرمایا "میں امام ابو حنیفہؒ نہیں ہوں۔ وہ ایک جلیل القدر عالم اور فقیہ تھے لوگ علم و فضل کی وجہ سے ان کا احترام و اعزاز کرتے تھے اور اسی لئے ان کے نام پر روپیہ دے دیتے تھے میں حکومت کا ایک ذمہ دار ملازم ہوں اس لئے ہو سکتا ہے کہ جس کو تم نے خط لکھ کر دیا، وہ روپیہ دینا نہ چاہتا ہو لیکن میرے خوف سے روپیہ دینے پر مجبور ہو گیا۔"

وہ شخص ایک دن قید رہا، دوسرے دن اُسے بلایا اور فرمایا:

جس سے تم نے روپے لئے تھے میں نے

اسے واپس کر دیئے اور تمہیں رہا کرتا ہوں۔ ممکن ہے تمہیں وہ شخص ادا کردہ رقم واپس کرے ایسی صورت میں بالکل نہ لینا اور نہ آئندہ کوئی ایسی حرکت کرنا۔"

حکومت کے تعلق اور اس کے ذمہ داروں کے نام پر عموماً جو فوائد حاصل کئے جاتے ہیں اس کے روکنے کے لئے امام ابو یوسفؒ نے اس شخص کو قید کر دیا مگر چونکہ طبعاً نرم خو اور فیاض تھے اس لئے روپیہ ادا کر دیا۔

(۲)

عبداللہ ابن مبارک کے والد مبارک بہت دیانت دار اور حق شناس انسان تھے وہ ایک شخص کے غلام تھے۔ آقا ان کی دیانتداری سے بے حد متاثر تھا اور بہت احترام کرتا تھا۔ اس کی ایک جوان لڑکی تھی جس کی شادی کے ہر طرف سے پیغام آرہے تھے لیکن وہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ کس کا پیغام قبول کرے۔ ایک روز اس نے مبارک سے مشورہ کیا۔

"مبارک، میں اس لڑکی کی شادی کہاں اور کس سے کروں۔"

انہوں نے کہا: "عہد جاہلیت میں لوگ حسب نسب کو تلاش کرتے تھے۔ یہودیوں کو مالدار کی جستجو ہوتی تھی اور عیسائی حسن و جمال کو ترجیح دیتے لیکن امت محمدیہ کے نزدیک تو معیار دین اور تقویٰ ہے آپ جس چیز کو چاہیں ترجیح دیں۔"

ابن مبارک کا یہ ایمان افروز اور دانش مندانہ مشورہ آقا کو بہت پسند آیا۔ اس نے فوراً فیصلہ کر لیا۔ بیوی کے پاس آیا اور کہا۔

"ہم لڑکی کا بر تلاش کر رہے ہیں۔ میرے نزدیک تو مبارک سے بہتر کوئی دوسرا شخص نہیں ہے۔ دیندار، متقی اور دیانت دار۔"

وہ نیک بخت خاتون بھی مبارک کے اخلاق و کردار سے بے حد متاثر تھیں۔ چنانچہ اس نے اس رائے کو بہت پسند کیا اور مبارک کی شادی آقا کی لڑکی سے ہو گئی۔

(۳)

عبداللہ ابن مبارک اپنی نیک اور سعادتمند لڑکی کے صاحبزادے تھے۔ وہ ایک اچھی شخصیت کے مالک تھے۔ محدث اور فقیہ اور علم و فضل کے امام۔ عام طور پر فقیر نظر آتے تھے۔ جنگ کا موقع آتا تو میدان کارزار کے شہسوار ثابت ہوتے۔ ان کی زندگی کے بے شمار سبق آموز واقعات ملتے ہیں۔

روشنی کے مینار

ایک مرتبہ اپنے وطن مرو سے شام گئے، وہاں کسی سے قلم مانگا لیکن واپس کرنا بھول گئے۔ جب مرو پہنچے تو قلم پر نظر پڑی۔ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے، دوبارہ مرو سے شام گئے۔ اور صاحب قلم سے معذرت کی، اس کا قلم واپس کیا اور مرو تشریف لے آئے۔

شاید آج کسی کو اس واقعے میں کوئی عجیب بات نظر نہ آئے لیکن عبداللہ ابن مبارکؒ کی اخلاقی عظمت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ مرو شام سے سینکڑوں میل دور ہے اور یہ واقعہ اس دور کا ہے جب آج کے سے ذرائع سفر نہ تھے کہ انسان چند گھنٹے کے اندر سات سمندر پار پہنچ جاتا ہے۔ اس دور میں لوگ گھوڑوں، اونٹوں اور خچروں پر سفر کیا کرتے تھے اور کالے کوسوں کی منزلیں بڑی مصیبتوں کا سامنا کرتے ہوئے مہینوں اور سالوں میں طے ہو پاتی تھیں۔

عبداللہ ابن مبارکؒ تجارت کرتے تھے ان کا تجارتی کاروبار بہت وسیع تھا لیکن وہ پیسہ کمانے کے لئے کاروبار نہ کرتے تھے بلکہ اللہ کے بندوں کی مدد اور ان کے حقوق ادا کرنے کے لئے کرتے تھے۔ ایک لاکھ درہم سالانہ فقراء پر خرچ کرتے تھے اور اس سے کہیں زیادہ رقم علماء اور طلباء پر صرف کرتے۔

ان کی سخاوت اور دریا دلی اہل علم ہی تک محدود نہ تھی بلکہ ہر خاص و عام فائدہ اٹھاتا تھا۔

ایک شخص سات سو درہم کا مقروض تھا۔ عبداللہ ابن مبارکؒ کو خبر ملی تو اپنے منشی کو لکھا کہ فلاں شخص کو سات ہزار درہم دے دیئے جائیں۔ مقروض تحریر لے کر منشی کے پاس پہنچا۔ اس نے خط پڑھ کر حامل رقعہ سے پوچھا کہ تم کو کتنی رقم چاہیئے۔ اس نے کہا میں سات سو درہم کا مقروض ہوں اور اسی رقم کے لئے لوگوں نے ابن مبارک سے میری سفارش کی ہے منشی نے اس سے کہا ٹھہرو، تحریر میں کچھ غلطی معلوم ہوتی ہے۔ میں ابن مبارک سے پتہ کر لوں۔ چنانچہ اس نے ابن مبارک کو خط لکھا کہ خط لانے والا تو صرف سات سو درہم کا طالب ہے اور آپ نے سات ہزار درہم دینے کی ہدایت کی ہے۔ لکھنے میں غلطی تو نہیں ہو گئی۔" ابن مبارکؒ نے جواب میں لکھا کہ" میرا خط ملتے ہی اس شخص کو چودہ ہزار درہم دے دو۔"

منشی نے پھر لکھا: اگر آپ اس طرح اپنی دولت لٹاتے رہے تو جلد ہی سارا سرمایہ ختم ہو جائے گا"

ابن مبارکؒ نے ڈانٹ کر لکھا: "اگر تم میرے ملازم ہو تو جو میں نے حکم دیا ہے اس پر عمل کرو، اور اگر تم مجھے اپنا ملازم سمجھتے ہو تو پھر میری جگہ پر

آکر بیٹھ جاؤ۔ پھر تم مجھے جو حکم دو گے میں اس پر عمل کروں گا۔ میرے سامنے مادّی دولت و ثروت سے زیادہ قیمتی سرمایہ آخرت کا ثواب اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کو اچانک اور غیر متوقع طور پر خوش کر دے گا اللہ تعالیٰ اُسے بخش دے گا۔ اس نے مجھ سے سات سو درہم کا مطالبہ کیا تھا' میں نے سوچا کہ اس کو سات ہزار ملیں گے تو غیر متوقع رقم پاکر بہت خوش ہو گا اور فرمان نبوی کے مطابق میں ثواب کا مستحق ہوں گا۔ اب چونکہ اسے پتہ چل گیا ہے کہ اسے سات ہزار درہم ملیں گے' اس لئے غیر متوقع بات نہیں رہی جس سے یہ خوش ہو' لہٰذا اسے چودہ ہزار درہم دیئے جائیں۔"

(۴)

لیث بن سعد کا شمار حدیث کے ممتاز اماموں میں ہوتا ہے۔ بے حد مالدار تھے، صرف زمین سے ۵۰ ہزار دینار سالانہ آمدنی ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ تجارت بھی کرتے تھے اور بیس تیس ہزار دینار سالانہ کما لیتے تھے لیکن اس آمدنی پر زکوٰۃ دینے کی کبھی نوبت نہ آئی۔ بے حد سخی اور فیاض تھے۔ ساری آمدنی فقیروں' غریبوں' مسکینوں اور مستحق اہل علم پر خرچ کر دیتے تھے۔ کسی برس آمدنی کم ہوتی تو قرض کی نوبت آجاتی تھی۔

ان کی ایک خصوصیت مہمان نوازی تھی۔ ان کے شاگرد خاص عبداللہ ابن صالح کہتے ہیں: میں تقریباً بیس برس امام کی خدمت میں رہا مگر کبھی ان کو تنہا کھانا کھاتے نہیں دیکھا۔ ابو حاتم کہتے ہیں۔ لیث کے پاس جب کوئی مہمان باہر سے آجاتا تھا تو وہ جب تک رہتا اس کی کفالت اپنے اہل و عیال کی طرح کرتے جب وہ جانا چاہتا تو پورا سفر خرچ دے کر رخصت کرتے تھے۔ کبھی کسی سائل کو واپس نہ کرتے۔ بارہ مہینے ان کے یہاں لنگر خانہ جاری رہتا تھا۔

فخر واحدی

نعت شریف

لئے شوق بے انتہا جا رہا ہوں
دیارِ حبیبِ خدا جا رہا ہوں

پلایا ہے ساقی نے وہ جامِ عرفاں
خودی سے میں بیخود ہوا جا رہا ہوں

مدینے میں گلہائے مقصد بھروں گا
میں پھیلائے دامن چلا جا رہا ہوں

گدائے درِ مصطفےٰ ہوں میں لیکن
لئے سر پہ ظلِ ہما جا رہا ہوں

حضورِ خدا اب بہ فیضِ محمدؐ
میں حق دارِ جنت ہوا جا رہا ہوں

عدم کا مسافر ہوں دشوار منزل
میں بے توشہ بے آسرا جا رہا ہوں

بصد فخر کہتا تھا طیبہ کا زائر
لئے دردِ دل کی دوا جا رہا ہوں

۱۲۔ اس مرحلے پر ہمارے سامنے اسلام کا دوسرا اہم ترین بنیادی عقیدہ آتا ہے اور وہ ہے عقیدۂ رسالت۔ رسول وہ شخص ہے جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ اپنا قانون انسان کو دیتا ہے۔ اور یہ قانون ہم کو رسول سے دو صورتوں میں ملتا ہے۔ ایک کلام اللہ، جو لفظاً بہ لفظ رسول پر نازل کیا گیا ہے، یعنی قرآن مجید۔ دوسرے وہ اقوال اور اعمال اور احکام امر و نہی جو رسولؐ نے اپنے پیرووں کو خدا کی ہدایت کے تحت دیئے یعنی سنت۔ اس عقیدے کی اہمیت یہ ہے کہ اگر یہ نہ ہو تو خدا پر ایمان محض ایک نظری (THEORETICAL) فکر و خیال بن کر رہ جاتا ہے۔ عملاً جو چیز خدا پرستی کے عقیدے کو ایک تہذیب، ایک تمدن اور ایک نظام حیات کی شکل میں ڈھالتی ہے وہ رسول کی فکری (IDEOLOGICAL) اور عملی رہنمائی ہے۔ اسی کے ذریعہ سے ہمیں قانون ملتا ہے اور وہی اس قانون کے منشاء کے مطابق زندگی کا نظام قائم کرتا ہے۔ اسی لئے توحید کے بعد رسالت پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مسلم نہیں ہو سکتا۔[1]

۱۳۔ اسلام میں رسول کی حیثیت اس طرح واضح طور پر بیان کی گئی ہے کہ ہم ٹھیک ٹھیک یہ بھی جان سکتے ہیں کہ رسول کیا ہے اور یہ بھی کہ وہ کیا نہیں ہے۔ رسول لوگوں کو اپنا نہیں بلکہ اللہ کا بندہ بنانے کے لئے آتا ہے[2] اور وہ خود بھی اپنے آپ کو بندہ ہی کہتا ہے۔ نماز میں ہر روز کم از کم ۱۷ مرتبہ جو

---

[1] النور: ۶۲۔ الحجرات: ۱۵۔ [2] آل عمران: ۷۹۔

کلمۂ شہادت پڑھنے کی تعلیم محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو دی ہے اس میں یہ فقرہ لازماً پڑھا جاتا ہے کہ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ (میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں) قرآن مجید اس معاملہ میں کسی ادنیٰ اشتباہ کا گنجائش بھی نہیں چھوڑتا کہ رسول ایک انسان ہے اور خدائی (DIVINITY) میں اس کا ذرہ برابر بھی کوئی حصہ نہیں ہے[۱]۔ وہ نہ تو فوق البشر ہے نہ بشری کمزوریوں سے بالاتر ہے، نہ خدا کے خزانوں کا مالک ہے، نہ عالم الغیب ہے کہ اس کو خدا کی طرح سب کچھ معلوم ہو[۲]، وہ دوسروں کے لئے نافع و ضار ہونا تو درکنار اپنے لئے بھی کسی نفع و ضرر کا اختیار نہیں رکھتا[۳]۔ اس کا کام پیغام پہنچا دینا ہے، اُس کے اختیار میں کسی کو راہ راست پر لے آنا نہیں ہے۔ نہ انکار کرنے والوں کا کا محاسبہ کرنا اور ان پر عذاب نازل کر دینا اس کے اختیار میں ہے[۴]۔ وہ خود اگر اللہ کی نافرمانی کرے، (معاذ اللہ) یا اپنی طرف سے کوئی چیز گھڑ کر خدا کی طرف منسوب کر دے یا خدا کی وحی میں بطورِ خود ذرہ برابر بھی ردو بدل کرنے کی جسارت کر ڈالے تو وہ خدا کے عذاب سے نہیں بچ سکتا[۵]۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسولوں میں سے ایک ہیں۔ رسالت سے بالاتر کسی حیثیت کے مالک نہیں ہیں[۶]۔ وہ اپنے اختیار سے کسی چیز کو حلال اور کسی چیز کو حرام کرنے، یا بالفاظِ دیگر خدا کے اذن کے بغیر بطورِ خود قانون ساز بن جانے کے مجاز نہیں ہیں[۷]۔ ان کا کام وحی کا اتباع کرنا ہے جو اُن پر خدا کی طرف سے نازل ہو[۸]۔

اس طرح اسلام نے اُن تمام مبالغوں سے نوعِ انسانی کو بچا لیا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے آنے والے انبیاء کے پیروؤں نے اپنے پیشواؤں کے حق میں کئے تھے۔ حتیٰ کہ ان کو خدا، یا اس کا ہم جنس، یا اس کی اولاد یا اس کا اوتار (INCARNATION) تک بنا ڈالا تھا۔ اس طرح کے تمام مبالغوں کی نفی کر کے اسلام نے رسول کی جو اصل حیثیت بیان کی وہ یہ ہے:۔

رسول پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا[۹]

جو شخص رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ دراصل اللہ کی اطاعت کرتا ہے کیونکہ اللہ نے جو رسول بھی بھیجا ہے

---

[۱] بخاری، کتاب ۱۰، ابواب ۱۵۳، ۱۵۴۔ یہی حدیث مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی، مؤطا، اور مسند احمد میں بھی روایت کی گئی ہے اور یہ متفق علیہ ہے۔ [۲] الکہف: ۱۱۰، حٰم السجدہ: ۶۔ [۳] بنی اسرائیل: ۹۰ تا ۹۳۔ [۴] الانعام: ۵۰، الاعراف: ۱۸۸۔ [۵] الانعام: ۱۷، یونس: ۴۹۔ [۶] الانعام: ۵۷، ۵۸، الرعد: ۴۰، القصص: ۵۶، الزمر: ۴۱، الغاشیہ: ۲۲۔ [۷] البقرہ: ۱۲۰، ۱۴۵۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اسی لئے بھیجا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے۔[۱۱] ہدایت وہی پا سکتا ہے جو رسول کی اطاعت کرے۔[۱۲] رسول جو حکم دے اُسے قبول کرنا چاہیئے اور جس سے انہیں منع کرے اس سے رُک جانا چاہیئے[۱۳]۔ اس امر کی وضاحت خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمائی ہے کہ میں ایک بشر ہی ہوں جو حکم میں تمہارے دین کے معاملہ میں دوں اس کی پیروی کرو اور جو بات اپنی رائے سے کہوں تو میں بھی ایک بشر ہوں۔ اپنی دنیا کے معاملات کو تم زیادہ جانتے ہو[۱۴]۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت دراصل قرآن مجید کے منشا کی تشریح ہے، اور یہ تشریح قرآن مجید کے مُصنّف یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو خود سکھائی تھی۔ اس لئے ان کے پیچھے خدائی سند (AUTHORITY) رکھتی ہے جس سے ہٹ کر کوئی شخص قرآن مجید کی کوئی تشریح بطورِ خود کرنے کا مجاز نہیں[۱۵]۔ اللہ تعالیٰ نے رسول کی زندگی کو نمونے کی زندگی قرار دیا ہے[۱۶]۔ کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ رسول کے فیصلے کو تسلیم نہ کرے[۱۹]۔ مسلمانوں کا یہ کام نہیں ہے کہ جس معاملہ کا فیصلہ خدا اور رسول نے کر دیا ہو اس میں وہ خود کوئی فیصلہ کرنے کے مجاز ہوں، بلکہ مسلمانوں کا یہ کام بھی نہیں ہے کہ کسی پیش آمدہ معاملہ میں کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے یہ نہ دیکھ لیں کہ اللہ اور اس کے رسول کا حکم اس معاملہ میں کیا ہے[۲۱]۔

مذکورۂ بالا بیان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول کے ذریعہ سے انسان کو صرف ایک بالاتر قانون (SUPREME LAW) نہیں دیا ہے، بلکہ مستقل اقدار (PERMANENT VALUES) بھی دی ہیں۔ قرآن مجید اور سنت میں جس چیز کو خیر قرار دیا گیا ہے وہ ہمیشہ کے لئے خیر ہے جس چیز کو شر کہا گیا ہے وہ ہمیشہ کے لئے شر ہے۔ جو چیز فرض کی گئی ہے وہ ہمیشہ کے لئے فرض ہے جس چیز کو حلال ٹھہرایا گیا ہے وہ ہمیشہ کے لئے حلال ہے۔ اور جو چیز حرام کی گئی ہے وہ ہمیشہ کے لئے حرام ہے۔ اس قانون میں کسی قسم کی ترمیم یا حذف و اضافہ یا تنسیخ (ABROGATION) کا اختیار کسی کو حاصل نہیں ہے، اِلّا یہ کہ کوئی شخص یا گروہ یا

(بقیہ حاشیہ ص) یونس: ۱۵۔ الحاقہ: ۴۴ تا ۴۷ [۵] آلِ عمران: ۱۴۴۔ یٰسٓ: ۳۔ الاحقاف: ۹۔ النجم: ۵۶۔ [۱۰] التحریم: ۱ [۱۱] الانعام: ۵۰۔ یونس: ۱۵۶۔ الاحقاف: ۹ [۱۲] النور: ۶۲۔ الحجرات: ۱۵ [۱۳] آلِ عمران: ۵۰۔ النساء ۶۴، ۸۰۔ الشعرا ۱۰۸، ۱۱۰، ۱۲۶، ۱۳۱، ۱۴۴، ۱۵۰، ۱۶۳، ۱۷۹۔ الزخرف: ۶۳۔ نوح: ۳ [۱۴] النور: ۵۴ [۱۵] الحشر ۷ [۱۶] مسلم، کتاب ۴۳ حدیث ۱۳۹ تا ۱۴۲۔ مسند احمد، جلد اوّل ص ۱۶۲۔ جلد ثالث ص ۱۵۲ [۱۷] النحل: ۴۴۔ القیٰمۃ ۱۷ تا ۱۹ [۱۸] الاحزاب ۲۱۔ [۱۹] النساء: ۶۵

(بقیہ حاشیہ ص ۔۔ پر)

قوم اسلام ہی کے چھوڑ دینے کا ارادہ رکھتی ہو جب تک مسلمان، مسلمان ہیں ان کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ کل کا شر آج خیر ہو جائے اور پرسوں پھر شر ہو جائے کوئی قیاس، کوئی اجتہاد، کوئی اجماع اس قسم کی تبدیلی کا مجاز نہیں ہے۔

۱۴۔ اسلام کا تیسرا بنیادی عقیدہ آخرت ہے اور اس کی اہمیت یہ ہے کہ اس کا انکار کرنے والا کافر ہو جاتا ہے۔ اور خدا، رسول، قرآن کسی چیز کا ماننا بھی اُسے کفر سے نہیں بچا سکتا[22] یہ عقیدہ اپنی تفصیلی صورت میں چھ لازمی تصورات پر مشتمل ہے۔

(۱) دنیا میں انسان غیر ذمہ دار (IRRESPONSIBLE) بنا کر نہیں چھوڑ دیا گیا ہے بلکہ وہ اپنے خالق کے سامنے جواب دہ ہے۔ دنیا کی موجودہ زندگی دراصل انسان کے امتحان اور آزمائش کے لئے ہے۔ اس کے خاتمے کے بعد اُسے اپنے کارنامۂ حیات کا حساب خدا کو دینا ہو گا[23]

(۲) اس محاسبے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ نوعِ انسانی کو دنیا میں کام کرنے کے لئے جتنی مہلت دینے کا اللہ تعالیٰ فیصلہ کر چکا ہے اس کے اختتام پر قیامت برپا ہو گی جس میں دنیا کا موجودہ نظام درہم برہم کر دیا جائے گا۔ اور ایک دوسرا نظامِ عالم نئے طرز پر برپا کیا جائے گا۔ اس نئی دنیا میں وہ تمام انسان دوبارہ زندہ کر کے اُٹھائے جائیں گے جو ابتدائے آفرینش سے قیامت تک پیدا ہوئے تھے[24]

(۳) اُس وقت ان سب کو بیک وقت خداوندِ عالم کی عدالت میں پیش کیا جائے گا اور ہر شخص کو اپنی ذاتی حیثیت میں اُن اعمال کی جواب دہی کرنی ہو گی جو اس نے خود اپنی ذمہ داری پر دنیا میں کئے ہوں گے[25]

(۴) وہاں اللہ تعالیٰ صرف اپنے ذاتی علم پر فیصلہ نہیں کر دے گا بلکہ عدل کی تمام شرائط پوری کی جائیں گی۔ ہر شخص کے کارنامۂ حیات کا پورا ریکارڈ بے کم و کاست عدالت کے سامنے رکھ دیا جائے گا اور بے شمار اقسام کی شہادتیں اس امر کے ثبوت میں پیش کر دی جائیں گی کہ اُس نے خفیہ اور علانیہ کیا کچھ کیا ہے اور کس نیت

---

[20] الاحزاب: ۳۶ [21] الحجرات: ۱۔ [22] الانعام: ۳۰، ۳۱۔ یونس: ۴۵۔ الرعد: ۵۔ المومنون: ۳۳۔ الفرقان: ۱۱ سبا: ۷، ۸۔ ص: ۲۶ تا ۲۸۔ ق: ۲ تا ۴۔ التغابن: ۷ [23] الکہف: ۷۔ الملک: ۲۔ القیمٰۃ: ۳۶۔ الدھر: ۲۔ التکویر: ۸، ۹۔ المطففین: ۱ تا ۶۔ التکاثر: ۸ [24] الانعام: ۹۳، ۹۴۔ مریم: ۸۱، ۹۶ [25] الزمر: ۶۸۔ الدخان: ۴۰۔ الواقعہ: ۴۹، ۵۰ [26] الکہف: ۴۹۔ النور: ۲۴۔ یٰس: ۱۲، ۶۵۔ الزمر: ۶۹۔ حٰم السجدہ: ۲۰، ۲۱۔

(باقی حاشیہ صلا پر)

سے کیا ہے[۲۴]

(۵) اللہ کی عدالت میں کوئی رشوت، کوئی بیجا سفارش اور کوئی خلافِ حق وکالت نہ چل سکے گی۔ کسی کا بوجھ دوسرے پر نہ ڈالا جائے گا۔ کوئی قریب سے قریب عزیز یا دوست، یا لیڈر یا مذہبی پیشوا یا خود ساختہ معبود کسی کی مدد کے لئے آگے نہ بڑھے گا۔ انسان وہاں تن تنہا بالکل بے یار و مددگار کھڑا ہوا اپنا حساب دے رہا ہوگا۔ اور فیصلہ صرف اللہ کے اختیار میں ہوگا[۲۵]

(۶) فیصلے کا سارا دارو مدار اس بات پر ہوگا کہ انسان نے دنیا میں انبیاء کے بتائے ہوئے حق کو مان کر اور آخرت میں اپنی جواب دہی کو محسوس کر کے ٹھیک ٹھیک اللہ کی بندگی کی یا نہیں۔ پہلی صورت میں اس کے لئے جنّت ہے، اور دوسری صورت میں دوزخ[۲۶]

۱۵۔ یہ عقیدہ تین اقسام کے انسانوں کی زندگی کے طریقوں کو ایک دوسرے سے بالکل ہی مختلف کر دیتا ہے۔ ایک قسم کے انسان وہ ہیں جو آخرت کے قائل نہیں ہیں اور بس اسی دنیا کی زندگی کو زندگی سمجھتے ہیں۔ وہ لامحالہ خیر و شر کا معیار اعمال کے اُن نتائج ہی کو سمجھیں گے، جو اس دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں۔ یہاں جس عمل کا نتیجہ اچھا یا مفید ہو وہ اُن کے نزدیک خیر ہوگا اور جس کا نتیجہ بُرا یا نقصان دہ ہوگا وہی اُن کے نزدیک شر ہوگا۔ بلکہ بارہا نتائجِ عمل کے لحاظ سے ایک ہی چیز ایک وقت میں خیر اور دوسرے وقت میں شر ہوگی۔ دوسری قسم کے آدمی وہ ہیں جو آخرت کو تو مانتے ہیں مگر ان کو یہ بھروسہ ہے کہ کسی کی سفارش اللہ کی عدالت میں انہیں بچالے گی۔ یا کوئی ان کے گناہوں کا کفارہ پہلے ہی دے چکا ہے، یا وہ اللہ کے چہیتے ہیں اس لئے انہیں بڑے سے بڑے گناہوں کی سزا بھی برائے نام دی جائے گی۔ یہ چیز عقیدۂ آخرت کے تمام اخلاقی فوائد کو ضائع کر کے دوسری قسم کے لوگوں کو بھی پہلی قسم کے اشخاص کی صف میں لے جاتی ہے۔ تیسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو عقیدۂ آخرت کو ٹھیک اس شکل میں مانتے ہیں۔ جس شکل میں اسلام اسے پیش کرتا ہے اور کسی کفارہ یا بیجا سفارش یا اللہ سے کسی خاص تعلق کی غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہیں[۲۹] ان کے لئے یہ عقیدہ ایک بہت بڑی اخلاقی طاقت

(بقیہ حاشیہ ص) الزخرف: ۸۰۔ الجاثیہ: ۲۸، ۲۹۔ ق: ۱۷، ۱۸۔ القمر: ۵۲، ۵۳۔ الانفطار: ۱۰ تا ۱۲۔ الطارق: ۹، ۱۰۔ الزلزال: ۲ تا ۸ ۲۵ البقرہ: ۴۸، ۱۲۳، ۲۵۴۔ یونس: ۳۰۔ ابراہیم: ۲۱، ۳۱۔ النحل: ۸۶، مریم: ۸۱، ۸۲۔ القصص: ۶۲ تا ۶۸۔ فاطر: ۱۸ المومن: ۱۸۔ الاحقاف: ۵، ۶۔ المعارج: ۱۰ تا ۱۴۔ عبس: ۳۴ تا ۳۷۔ الانفطار ۱۹۔ ۲۶ الکہف: ۱۰۵، ۱۰۶۔ القصص: ۶۵۔ الزمر: ۷۱۔ الملک ۸ تا ۱۱۔ النازعات: ۳۷ تا ۴۱ ۲۹ البقرہ: ۸۰، ۸۱، ۱۲۳، ۲۵۵۔ آل عمران: ۷۵، ۷۶۔ النساء: ۱۰۷ تا ۱۰۹۔ المائدہ: ۱۸۔ الانعام: ۵۱۔ یونس: ۳۔ طٰہٰ: ۱۰۹۔ النجم: ۲۶

رکھتا ہے۔ جس شخص کے ضمیر میں آخرت کا یقین اپنی صحیح صورت میں جاگزیں ہو جائے اس کا حال ایسا ہوگا جیسے اس کے ساتھ ہر وقت ایک نگران لگا ہوا ہو جو برائی کے ہر ارادے پر اسے ٹوکتا، ہر اقدام پر اسے روکتا اور ہر عمل پر اسے سرزنش کرتا ہے۔ باہر کوئی گرفت کرنے والی پولیس، کوئی شہادت دینے والا گواہ، کوئی سزا دینے والی عدالت، اور کوئی ملامت کرنے والی رائے عام موجود ہو یا نہ ہو، اس کے اندر ایک سخت گیر محتسب ہر وقت بیٹھا رہے گا جس کی پکڑ کے خوف سے وہ کبھی خلوت میں یا جنگل میں، یا اندھیرے میں، یا کسی سنسان جگہ میں بھی خدا کے مقرر کردہ فرض سے فرار اور اس کے مقرر کردہ حرام کے ارتکاب کا حوصلہ نہ کر سکے گا اور بالفرض اگر کبھی گذرے گا تو شرمندہ ہوگا اور توبہ کرے گا۔ اس سے بڑھ کر اخلاقی اصلاح اور انسان کے اندر ایک مستحکم کردار پیدا کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں۔ خدا کا بالاتر قانون جو مستقل اقدار انسان کو دیتا ہے ان پر مضبوطی کے ساتھ کاربند ہونے اور ان سے کسی حالت میں اس کے نہ ہٹنے کا انحصار اسی عقیدے پر ہے۔ اسی لئے اسلام میں اس کو اتنی اہمیت دی گئی ہے کہ اگر یہ نہ ہو تو خدا اور رسالت پر ایمان بھی بے کار ہے۔

۱۶۔ اسلام، جیسا کہ میں پیراگراف ۶ میں بیان کر چکا ہوں، ایک پوری تہذیب، ایک جامع تمدن اور ایک ہمہ گیر (COMPREHENSIVE) نظامِ حیات ہے۔ اور انسانی زندگی کے تمام گوشوں میں اخلاقی رہنمائی دیتا ہے، اس لئے اس کے اخلاقیات دراصل تارک الدنیا راہبوں اور جوگیوں اور سنیاسیوں کے لئے نہیں ہیں بلکہ ان لوگوں کے لئے ہیں جو زندگی کے مختلف شعبوں کو چلاتے یا ان کے اندر کام کرتے ہیں۔ اخلاق کی جو بلندیاں دنیا خانقاہوں، راہبوں اور صومعوں (CONVENTS, MONASTRIES, CLOISTERS) میں تلاش کرتی تھی۔ اسلام ان کو زندگی کے بیچ منجدھار میں لے آنا چاہتا ہے۔ اس کا منشا یہ ہے کہ حکومتوں کے فرمانروا، صوبوں کے گورنر، اور عدالتوں کے جج فوج اور پولیس کے افسر، پارلیمنٹوں کے ممبر، مالیات اور صنعت و حرفت کے کارفرما، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے اساتذہ و طلباء بچوں کے باپ، باپوں کے بچے عورتوں کے شوہر اور شوہروں کی عورتیں، ہمسایوں کے ہمسائے، غرض سب ان اخلاقیات سے آراستہ ہوں۔ وہ چاہتا ہے کہ ہر گھر میں بھی اسی اخلاق کی فرمانروائی ہو اور محلے اور بازاروں میں بھی اسی کا چلن ہو، وہ چاہتا ہے کہ کاروبار کے سارے ادارے اور حکومت کے سارے محکمے اسی کی پیروی کریں۔ سیاست

سچائی اور انصاف پر مبنی ہو قوموں میں حق شناسی اور ادائے حقوق پر ایک دوسرے سے معاملہ کریں، جنگ بھی ہو تو شرافت اور تہذیب کے ساتھ ہو نہ کہ بھیڑیوں کی سی درندگی کے ساتھ۔ انسان جب خدا ترسی اختیار کرلے، خدا کے قانون کو بالاتر مان لے، خدا کے سامنے اپنی جواب دہی کو یاد رکھ کر مستقل اقدار کا پابند ہو جائے تو پھر اس کی یہ صفت صرف عبادت گاہ تک محدود نہیں رہنا چاہئے بلکہ جس حیثیت میں بھی وہ دنیا کے اندر کام کر رہا ہے خدا کے سچے اور وفادار بندے کی طرح ہی کام کرے۔

یہ ہے مختصراً وہ چیز جس کا اسلام علمبردار ہے اور یہ محض کسی فلسفی کی خیالی جنت (UTOPIA) نہیں ہے بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے عملاً بَرپا کر کے دکھا دیا۔ اور آج چودہ سو برس گذر جانے پر بھی اس کے اثرات مسلم معاشرے میں کم و بیش پائے جاتے ہیں۔

دعوت و تبلیغ کے لئے بلاقیمت کتابیں

مکتبہ الحسنات رام پور کی طرف سے دعوت و تبلیغ کے لئے ہندی اور اردو کتابیں کے سیٹ بلاقیمت تقسیم ہوتے رہے۔ یہ کتابیں بعض اصحاب خیر نے اسی غرض کے لئے فراہم کی تھیں۔ بحمداللہ ان کتابوں کے تین سو سیٹ جن کی مجموعی قیمت تقریباً چھ ہزار (۶۰۰۰/-) روپے ہوتی ہے ملک کے گوشے گوشے میں شائقین تک پہنچا دیئے گئے۔ البتہ ایک مقام کے کچھ طلب کرنے والوں کو ان کی بھیجی ہوئی رقم (برائے ڈاک خرچ مبلغ ۳/-) مکتبہ نے اپنے خرچ سے اس لئے واپس کردی کہ پتوں کی نوعیت اور ناموں کی یکسانیت کی وجہ سے اندازہ ہوتا تھا کہ شاید ایک ہی محلہ اور ہو سکتا ہے ایک ہی گھر کے مختلف لوگوں نے خواہ مخواہ کتابیں طلب کرلی ہیں۔ حالانکہ کسی مقام پر دو یا تین سیٹ منگا لینا بہت کافی ہوتا۔ اس کے بعد جب اسٹاک بالکل ختم ہو گیا تو بہت سے منی آرڈر انکاری واپس بھی کردیئے گئے۔ یہ تفصیل اس لئے سامنے لائی جارہی ہے کہ اب بحمداللہ مکتبہ الحسنات کے پاس کسی کی کوئی رقم مبلغ ۳/- برائے ڈاک خرچ ایسی باقی نہیں ہے جسے کتابوں کا سیٹ نہ بھیج دیا گیا ہو۔ اگر کسی صاحب کو کتابیں نہ ملی ہوں اور نہ ان کی رقم واپس ملی ہوں تو پورے حوالہ کے ساتھ وہ خط لکھیں۔ انشاء اللہ ان کا حساب صاف کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ اب یہ سلسلہ بالکل ختم ہو چکا ہے۔ مزید طلبگار نہ اس سلسلہ میں خط لکھیں اور نہ رقم بھیجیں۔

منیجر مکتبہ الحسنات

قوم پھر ہمّت سے آگے بڑھنے لگی ہے

1975-76

دیہات میں نئی زندگی

مکان تعمیر کرنے کی 65 لاکھ سے زیادہ جگہیں اُلاٹ کی گئیں۔ جن میں سے 3,68,000 تعمیر کے لئے بالکل تیار کرکے دی گئی ہیں 2,46000 مکانوں کی تعمیر کا کام پورا ہو گیا۔ تقریباً 47,000 افراد جن سے جبری مزدوری لی جا رہی تھی آزاد کرائے گئے ہیں۔

زمین کی ملکیت کی حد مقرر کرنے کے قوانین پر عمل درآمد سے 16,67,000 ایکڑ زمین فاضل قرار دی گئی جس میں سے اب تک 4,24,000 ایکڑ زمین اُلاٹ کی جا چکی ہے۔ اس سے تقریباً 1,80,000 افراد کو فائدہ پہنچا ہے۔

19 دیہی بنک قائم کئے جا چکے ہیں۔ 77 - 1976 میں مزید ایسے 50 بنک قائم کرنے کی تجویز ہے۔ قرض دینے والے کوآپریٹو اداروں کو مضبوط بنانے کے اقدامات کئے گئے ہیں۔

DAV.P 76/88

رات کیسی بے بہا نعمت ہے

ملا واحدی

جو لوگ رات بھر جاگتے ہیں اور دن بھر سوتے ہیں انہیں دیکھ کر اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ رات کیسی نعمت ہے اللہ تعالیٰ نے پوری رات جاگنے سے اپنے رسولؐ کو منع فرمایا تھا۔ رات کے ایک حصّے میں سوتا رہنا انسان کے نفس کا حق بتایا گیا ہے۔ بعض مشائخ صوفیہ کا مسلسل جاگنا اور عبادت کیے جانا خرقِ عادت فعل تھا۔ وہ دن میں بھی نہیں سوتے تھے مسلمان کے لیے سند صرف حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و فعل ہے۔

رات بھر جاگنے اور دن بھر سونے والے عموماً اُمراء و رؤسا ہیں۔ سو جملہ آسائشوں کے باوجود اُن کی صحت خراب رہتی ہے۔ اور مزاج تو ان کا مستقل طور سے چڑچڑا ہو جاتا ہے۔

سونا رات ہی کو چاہیئے۔ جو لطف اور تسکین رات کے سونے میں ہے خصوصاً نمازِ عشاء کے بعد فوراً سو جانے میں وہ دن کے سونے میں ہرگز نہیں ہے قیلولہ مسنون ہے، لیکن قیلولہ دوپہر کا کھانا کھا کر تھوڑی سی دیر آرام کرنے کو کہتے ہیں۔ ظہر اور عصر کی نمازیں غایب کر دینے کو نہیں کہتے۔ وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا ۝ وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۝ "ہم نے رات کو اوڑھنا (بچھونا) بنایا ہے اور دن کو روزی کمانے کے لیے رکھا ہے" (سورۃ ۷۸ آیات ۱۰، ۱۱) رات اپنی جگہ نعمت ہے اور دن اپنی جگہ نعمت۔ رات کے آرام کے ساتھ ساتھ دن کام کاج کرنے کو نہ ملتا تو زندگی کیسے کٹتی، مگر خیر..... دن کو رات تو بنایا جا سکتا ہے لیکن رات کو دن بنانا دشوار ہے۔ کتنی بھی روشنی

کر لیجئے۔ رات دن میں تبدیل نہیں ہوگی۔

ذرا تصور کیجئے، اگر رات ہی رہا کرتی اور دن کی نعمت سے سارا کرۂ ارض محروم کر دیا جاتا، یا دن ہی دن رہتا رات کی نعمت نہ عنایت کی جاتی تو یہ کس قدر تکلیف دہ صورت ہوتی۔ اللہ تعالے نے اس احسان کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد ہے:۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ۝ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝

" (اے رسول اللہ! ان سے کہو کہ) ذرا سوچو اگر اللہ تا قیام قیامت تم پر پیہم رات مسلط کر دے تو کیا ہے کوئی اللہ کے سوا اور جو تمہارے واسطے (دن کا) نور لے آئے۔ تم (اس قدر معقول بات) نہیں سنتے (اور) کہو کہ اگر اللہ تا قیام قیامت تم پر دن ہی دن نکالے رکھے تو کیا ہے کوئی اللہ کے سوا اور جو تمہارے اوپر رات لا موجود کرے تاکہ تم اس میں راحت پاؤ۔ تم (اللہ کی ایسی صریح عنایت کو نہیں دیکھتے)۔"

ساری کائنات اللہ کی مخلوق ہے۔ اور اس
کی تابع فرمان ہے۔ سورہ رعد میں آتا ہے کہ :

وَ لِلّٰہِ یَسْجُدُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
طَوْعًا وَّکَرْھًا وَّظِلٰلُھُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ۔

اور اللہ ہی کو سجدہ کرتی ہیں وہ ساری
چیزیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں
آمادگی اور خوشی سے اور جبر سے ___
اور صبح و شام اِن کے سائے بھی (اللہ
ہی کو سجدہ کرتے رہتے ہیں) ___

ہم انسان بھی اللہ کی مخلوق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارا
سب کا حاکم ہے اور ہم سب اس کے بندے ہیں۔

فطرتاً ہمیں بھی اسی کو سجدہ کرنا چاہیئے، اسی کی عبادت
کرنی چاہیئے، اسی کی اطاعت کرنی چاہیئے،
کیونکہ مخلوق کی حیثیت سے یہی ہمارا مقام ہے
اللہ تعالیٰ کے جتنے پیغمبر اس دنیا میں آئے اُن
کی تعلیم بھی یہی تھی کہ :

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ

اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے
اجتناب کرو!

اور قرآن جو اللہ کا آخری پیغام ہے وہ بھی ایمان
والوں کو یہی ہدایت کرتا ہے کہ :

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا

وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔

اے ایمان لانے والو جھک جاؤ اور سجدہ ریز ہو جاؤ اور بندگی کرو اپنے رب کی اور بھلائی کرو۔ شاید تم فلاح پاؤ۔ (الحج)

کتنی اچھی ہے یہ دعوت ــــ بالکل انسانی فطرت کے مطابق، عقل کے موافق اور دل کو مرغوب۔ اپنے خالق پر ایمان لانا، اپنے مالک کی بندگی اور اطاعت کرنا ــــ اور بندوں کے ساتھ بھائی چارے اور محبت سے پیش آنا اور ان کی خدمت کرنا ــــ اور یہ سب اس لئے کہ ہمیں اپنے مالک کو راضی کرنا ہے۔ اس کی رحمت کا سہارا لینا ہے۔ اُس سے دعائیں کرنا ہے۔ اس کی ہدایت کے بموجب زندگی گزارنا ہے۔ اسی کو اصطلاحی زبان میں "ایمان و عمل" کہتے ہیں۔

اللہ چاہتا ہے کہ ہم اپنے ایمان میں مخلص ور اپنے عمل میں سچے ہوں۔ فطرت سلیم بھی رجحان کھتی ہے۔ مگر آدمی میں کچھ بُرے رجحانات بھی یں۔ اُسے دنیا کا لالچ آتا ہے۔ اپنے مفادات زیز ہوتے ہیں۔ وہ نقصان اور تکلیف سے بچنا چاہتا ہے۔ اس میں خود غرضی اور لالچ کے جذبات ہوتے ہیں لیکن آخرت کی زندگی پر نظر رہے تو دنیا کی زندگی کے یہ مراحل ایمان کے تقاضوں کے مطابق گذر سکتے ہیں۔ بے شک اس طرز عمل میں تکلیف ہوگی مگر دل مطمئن ہوگا کہ یہ تکلیف، یہ وقتی نقصان اور یہ وقتی مضرت تو کسی نہ کسی طرح ختم ہی جائے گی البتہ آخرت کی لامتناہی زندگی میں تو سکھ ملے گا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللّٰهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ــــ (القصص)

اللہ نے جو کچھ تجھے دیا ہے اُسے دار آخرت کے حصول کا ذریعہ بنا، دنیا سے اپنا حصہ نہ بھول، اور لوگوں کے ساتھ بھلائی کر جیسے کہ اللہ نے تیرے ساتھ بھلائی کی ہے اور دنیا میں فساد نہ پھیلا، اللہ تعالیٰ فسادیوں کو پسند نہیں کرتا ــــ

اس میں اللہ نے ہمارے لئے ایک نصب العین

مقرر فرمایا ہے اور وہ ہے آخرت کے گھر کا حصول۔ ارشاد ہے کہ آخرت کو اپنا مقصود بنالو ــــ تم آخرت ہی کے لئے پیدا کئے گئے ہو۔ یہی بات ہے جو حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ارشاد فرمائی ہے کہ :

الدنیا خلقت لکم وخلقتم للآخرۃ

دنیا تمھارے لئے بنائی گئی ہے اور
تمھیں آخرت کے لئے پیدا کیا گیا۔

گویا تمھیں دنیا میں جو وسائل اور رزق میسر ہے اس کا صحیح مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعہ تم آخرت کماؤ۔ یہ دنیا کی زندگی ایک طرح کا امتحانی وقفہ ہے۔ انگریزی میں اسے PROBATION کہتے ہیں۔ اس امتحانی وقفہ میں جو سامانِ امتحان ملا ہے اسے دینے والے کی مرضی کے مطابق اپنی بہترین لیاقت کے ساتھ صرف کر دو ــــ یہی تمھاری معراج کمال ہے۔ اللہ نے بہت سا دیا ہے تو بہت سا اس کی مرضی کے مطابق خرچ کرو۔ اور کم دیا ہے تو اپنی بساط بھر صرف کرو۔ تم درحقیقت اپنی صلاحیتوں اور دولت و سامان کے امین ہو۔ یہ صلاحیتیں اور دولت تمھاری نہیں ہے بلکہ دینے والے کی ہے۔ اگر تم ان صلاحیتوں اور ساز و سامان کو اس کی مرضی کے مطابق خرچ کروگے تو وہ خوش ہوگا اور ان انعامات سے نوازے گا جو اس نے اپنے اچھے بندوں کے لئے جنتوں میں مخصوص کر رکھے ہیں۔ اور اگر تم اپنی صلاحیتوں اور دولت کو اس کی مرضی کے علی الرغم اپنی مرضی سے خرچ کروگے تو وہ خوش نہیں ہوگا اور پھر آخرت کی زندگی میں تمھیں وہ مقام ملے گا جو نافرمان امینوں کو ملتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ دولت آخرت کی دولت ہے اور افلاس آخرت کا افلاس۔ ہو سکتا ہے کہ ایک آدمی اس دنیا میں بے دولت رہا ہو مگر وہ اپنے ایمان وعمل کی وجہ سے آخرت میں دولت سے نوازا جائے۔ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ ایک آدمی دولتِ دنیا سے اچھی طرح نوازا گیا ہو مگر وہ اپنی خود غرضی اور نفس پرستی کی وجہ سے آخرت میں بالکل نادار رہ جائے۔

اب اللہ نے جو یہ ہدایت کی ہے کہ :
" اللہ نے تجھے جو کچھ دیا ہے اس کو آخرت کے گھر کے حصول کا ذریعہ بنا۔"

تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی صلاحیتیں اپنے اور

اپنے سماج کے فروغ کے لئے لگاؤ۔ اپنی دولت کو مناسب انداز میں اپنی ذات پر، اپنے بچوں پر اپنے پڑوسیوں پر اور مستحقین پر خرچ کرو۔ اسے اپنا مال نہ سمجھو بلکہ اللہ کی امانت سمجھو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو تمھیں آخرت کی کامیابی ملے گی۔ ورنہ اللہ کی بندگی کا ہزار اقرار کرتے رہو، ہزار نماز روزہ کرتے رہو۔ اگر تمہارا عمل اللہ کی مرضی کے مطابق نہیں ہے، اگر تم نے اللہ کے بندوں کے حقوق ادا نہیں کئے ہیں بلکہ پامال کئے ہیں تو تمہارا انجام برا ہوگا۔ کیونکہ اللہ نے جس طرح اپنے حقوق مقرر فرمائے ہیں اسی طرح بندوں کے بھی حقوق طے فرما دیئے ہیں اور اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے حقوق اللہ ادا کرنا ہی کافی نہیں ہے بلکہ حقوق العباد ادا کرنا بھی لازمی ہے اس سلسلے میں ایک عبرت آموز حدیث ہے۔ حضورؐ نے ایک بار اپنے صحابہ سے سوال کیا

"بتاؤ مفلس کون ہے؟"

صحابہ نے کہا ــــ "مفلس وہ ہے جس کے پاس نہ پیسہ ہو اور نہ سامان!"

آپؐ نے فرمایا ــــ "نہیں، اللہ کی نظر میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز، روزے اور زکوٰۃ جیسی بہت نیکیاں لے کر آئے گا لیکن اس نے بندوں کے حقوق ادا نہ کئے ہوں گے۔ کسی پر ظلم کیا ہوگا، کسی کو برا کہا ہوگا، کسی کی حیثیت عرفی خراب کی ہوگی، کسی پر تہمت لگائی ہوگی۔ کسی کا مال مار لیا ہوگا اور کسی کا خون کیا ہوگا۔ وہاں اس کی ساری نیکیاں مظلوموں کو دے دی جائیں گی اور ان کے گناہ اس کے ذمے لاد دئے جائیں گے۔ پھر اسے اوندھے منھ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں ایک مومن کو متوازن زندگی گذارنا چاہیئے۔ اللہ کے حقوق بھی پورے ادا کرنے چاہئیں اور بندوں کے حقوق بھی ــــ یعنی جس طرح توحیدِ الٰہی پر ایمان رکھنا اور ہر طرح کے شرک سے بچنا، رسومِ بندگی ادا کرنا اور اللہ کی اطاعت کرنا فرض ہے اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ آدمی اپنے نفس، اپنی آل اولاد کے حقوق، اپنے پڑوسیوں اور عام انسانوں کے حقوق بھی ادا کرے۔ ورنہ وہ خسارے میں رہے گا۔ تنہا حقوق العباد کی ادائیگی اُسے آخرت میں سرخرو نہ کر سکے گی بلکہ ہوسکتا ہے کہ • اگر اس نے حقوق العباد ادا نہ کئے ہوں تو اس کی

عبادات وغیرہ کا فائدہ بھی ان بندوں کو ملے جن کے حقوق اس نے ادا نہیں کئے ہیں اور وہ خالی رہ جائے۔

چنانچہ اگر ہم زندگی میں توازن پیدا کرلیں۔ اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی ساتھ ساتھ کرتے رہیں تو ہمارے آخرت کے مفادات محفوظ ہو جائیں گے۔

سورہ قصص کی متذکرہ بالا آیت میں دوسری ہدایت جو کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ

"اور دنیا سے اپنا حصہ نہ بھول"

اس کا مطلب یہ ہے کہ خالق نے ہمیں پیدا کر کے یوں ہی بے سروسامان نہیں چھوڑ دیا ہے بلکہ اس نے ہماری دنیاوی ضرورتوں کے مطابق رزق بھی دیا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس نے ہماری روزی اور سروسامان کی ذمہ داری لی ہے۔ وہ خیر الرازقین ہے۔ اس نے ہمارے مقدر میں جو کچھ کر دیا ہے وہ ہمیں مل جاتا ہے اب یہ ہمارا فرض ہے کہ اپنے مقدر کے اس حصے کو اس کی مرضی کے مطابق خرچ کریں۔ اور دنیا اور اس کے مال و دولت سے آخرت کا گھر بنانے کی فکر کریں۔

اپنے مقرر شدہ مال و دولت میں سے ہم جو کچھ نفس کی جائز ضرورتوں پر خرچ کرتے ہیں اور جو کچھ اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتے ہیں وہ اللہ کو منظور ہے اور ہمارے اس خرچ پر بھی آخرت کا اجر ملتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے طلب رزق کے لئے جدوجہد کو پسند فرمایا ہے اور اسے اللہ کے فضل کی طلب قرار دیا ہے یہ خیال غلط ہے کہ کسب معاش اور روزی کے لئے جلدی آخرت پسندی کے منافی ہے۔ بلکہ دین مبین نے کسب معاش اور روزی کے لئے جدوجہد کو پسندیدہ کام قرار دیا ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ:

مَا اَكَلَ اَحَدٌ طعامًا قطُّ خَيْرًا مِّنْ اَنْ يَّاْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدَيْهِ وَاِنَّ نَبِیَّ اللّٰهِ دَاوٗدَ عليه السلام كَانَ يَاْكُلُ من عَمَلِ يَدَيْهِ۔

اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کھانا کسی شخص نے نہیں کھایا اور اللہ تعالےٰ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں کی کمائی کھاتے تھے۔ (بخاری)

ایسے ہی ایک بار ایک صحابی نے پوچھا —— اَیُّ الْكَسْبِ اَطْيَبُ؟ سب سے زیادہ اچھی کمائی کون سی ہے؟

تو حضورؐ نے جواب دیا ــــ عَمَلُ الرَّجُلِ بِيَدِهٖ وَكُلُّ بَيْعٍ مَبْرُوْرٍ ــــ آدمی کا اپنے ہاتھ سے کام کرنا اور وہ تجارت جس میں تاجر بے ایمانی اور جھوٹ سے کام نہیں لیتا۔

گویا حقیقت یہ ہے کہ اللہ ہماری روزی کا ذمہ دار ہے۔ البتہ ہمیں اپنی روزی محنت کر کے حاصل کرنی پڑتی ہے۔ یہ محنت مزدوری اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے اور اس طرح کمائی ہوئی روزی اللہ کا فضل ہے۔

اس سلسلے کی تیسری ہدایت یہ ہے کہ :

"اور بھلائی کرو جیسا کہ اللہ نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے۔"

غور کیجئے کہ ہم پر اللہ نے کتنا کرم کیا ہے۔ اس نے ہمیں زندگی دی، ہماری پرورش کا سامان کیا، ہمارے دائرہ عمل کو ہمارے لئے سازگار بنایا۔ اور قدم قدم پر ہماری مدد فرمائی۔ اگر اس کی شفقت اور فضل شامل حال نہ ہو تو ہم ایک لمحہ بھی نہیں گذار سکتے۔ اللہ اپنے اس کرم کی مثال دے کر ہمیں ہدایت فرماتا ہے کہ جیسے میں نے تمہارے ساتھ اچھا سلوک کیا ہے ایسے ہی تم اپنے جیسے میرے دوسرے بندوں کے ساتھ کرو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو گویا تم نے میرے احسان کو نہیں مانا۔ اگر تم میرا احسان مانتے ہو تو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔ اگر تم شوہر ہو تو اپنی بیوی کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اگر تم بیوی ہو تو شوہر کے حقوق ادا کرو۔ صاحب اولاد ہو تو اولاد کی تربیت کا حق ادا کرو۔ تمہارے آس پاس یتیم ہوں گے ان کے سر پر ہاتھ پھیرو اور ان کی دست گیری کرو، مہمان آئیں تو ان کا حق ادا کرو۔ پڑوسیوں سے نیک سلوک کرو، فقرا اور مساکین کا حق دو، اپنے نوکروں سے اچھا برتاؤ کرو، رفیقِ سفر کے کام آؤ، بیمار کی عیادت کرو، سماج میں رہنے والے لوگوں کے حقوق کا خیال رکھو اور حیوانات تک پر شفقت کرو۔ یہی تمہارا منصب ہے۔

اس سلسلے میں حدیث کی کتابوں میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں۔ جن میں حسن سلوک اور حقوق العباد کی ادائیگی پر زور دیا گیا ہے۔ حدیثوں میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اچھے سلوک کے بدلے میں اچھا سلوک کرنا کوئی کمال نہیں بلکہ کمال یہ ہے کہ حق ادا نہ کرنے والوں کے حق ادا کئے جائیں اور حسنِ سلوک نہ کرنے والوں کے ساتھ حسنِ سلوک کیا جائے اور مسکینوں اور مستحق لوگوں کی مدد بغیر بدلے

کی کسی خواہش کے کی جائے ۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کہے گا۔

• اے آدم کے بیٹے! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا لیکن تو نے نہیں کھلایا تو وہ کہے گا کہ اے میرے رب! میں تجھے کیوں کر کھانا کھلاتا جب کہ تو سب لوگوں کی پرورش کرنے والا ہے؟ اللہ کہے گا کہ کیا تجھے خبر نہیں کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا لیکن تو نے اسے نہیں کھلایا؟ کیا تجھے خبر نہیں کہ اگر تو اس کو کھلاتا تو اپنے کھلائے ہوئے کھانے کو میرے یہاں پاتا؟ اے آدم کے بیٹے میں نے تجھ سے پانی مانگا تھا لیکن تو نے مجھے نہیں پلایا تو وہ کہے گا کہ اے میرے رب میں تجھے کیسے پلاتا جبکہ تو خود عالموں کا پروردگار ہے؟ اللہ تعالیٰ کہے گا کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا مگر تو نے اسے پانی نہیں دیا۔ اگر تو اس کو پانی پلا دیتا تو وہ پانی میرے یہاں پاتا۔

اے آدم کے بیٹے میں بیمار ہوا تھا تو نے میری عیادت نہیں کی، تو وہ کہے گا کہ اے میرے رب میں تیری عیادت کیسے کرتا تو خود رب العالمین ہے؟ تو اللہ فرمائے گا کیا تجھے علم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار پڑا تھا تو تو نے اس کی عیادت نہیں کی، کیا تجھے خبر نہ تھی کہ اگر تو اس کی عیادت کو جاتا تو اس کے پاس مجھے پاتا۔"

اس سے اس معیار کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے جو اسلام "بھلائی کرنے" کے سلسلے میں دیکھنا چاہتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم اللہ کے بندوں سے کتنی محبت کریں۔ ان کے ساتھ کتنا حسنِ سلوک کریں پھر یہ کس جذبے سے ہو!

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دیکھنے کا ہے کہ: وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا وَّقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ۝ أُولَٰئِكَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ ۝

اور جو لوگ دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اس حال میں کہ ان کا دل دھڑک رہا

ہوتا ہے کہ انھیں اپنے رب کے حضور لوٹ کر جانا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو بھلائیوں میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی فکر کرتے رہتے ہیں اور وہی اسے (آخرت میں) پائیں گے۔

اس سلسلے کی چوتھی ہدایت یہ ہے کہ:

"زمین میں فساد نہ پھیلاؤ۔ اللہ تعالےٰ فسادیوں کو پسند نہیں کرتا۔"

اسلام کی نظر میں فساد یہ ہے کہ باطل نظریات بڑھیں منکرات کا فروغ ہو۔ لوگوں میں ایک دوسرے کے حقوق ادا نہ کرنے کا رجحان ہو اور اخلاقی برائیاں رک نہ رہی ہوں، ظلم پنپ رہا ہو، جھوٹ کا رلج ہو، لوگ دورُخے پن سے کام لیتے ہوں، جھوٹی شہادتوں، عیب چینیوں چغلی اور بد نگاہی کا دور دورہ ہو۔

یہ ساری باتیں مٹنے کے لئے ہیں۔ دین دار لوگوں کے سماج میں جہاں ایک طرف حقوق العباد پوری طرح ادا ہوتے ہیں وہیں اخلاقی اچھائیاں فروغ پاتی ہیں اور اخلاقی برائیاں دبتی ہیں۔ وقار و سنجیدگی کا ماحول ہوتا ہے اور ہر طرف سلامتی کی فضا رہتی ہے۔ اور دنیا جنت کا نمونہ بن جاتا ہے۔

ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ ہم دنیا کے بجائے آخرت کو اپنا حقیقی مقصود اور نصب العین بنالیں ــــ اللہ کو اپنا خالق مالک اور حاکم سمجھ کر بس اسی کے ہو رہیں اور اس کی رضاجوئی میں لگے رہیں۔ اللہ نے ہم پر جو احسانات کئے ہیں ان کو احسان مندی کے جذبے سے یاد کر کے اللہ کی مخلوق سے حسن سلوک کا رویہ اپنائیں اور ہر قسم کی اخلاقی گراوٹ سے بچیں اور ایسے رجحانات کو فروغ نہ دیں جو دنیا میں اخلاقی، سماجی اور معاشی فساد کا سبب بنتے ہیں۔ دو جملوں میں اللہ کی ہدایت یہ ہے کہ:

وادخلو فی السلم کافۃ

"اور اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔"

عبدالمتین نیاز

غزل

ہر حقیقت کو حسیں خواب بنا کر دیکھیں
خود کو اس غم سے ذرا دیر جدا کر دیکھیں

سوئے جذبوں کو جگاتی ہے ہوا موسم کی
محبسِ ذات سے باہر تو وہ آ کر دیکھیں

گُل کھِلا آئے ہیں صحراؤں میں ہم آبلہ پا
آؤ شہروں میں بھی یہ فرض ادا کر دیکھیں

ایک سچّائی ہے تپتے ہوئے صحرا کا وجود
وہ سرابوں سے نگاہیں تو ہٹا کر دیکھیں

اپنے جیسے نظر آئیں گے بہت سے چہرے
آپ خوش فہمی کی دیوار تو ڈھا کر دیکھیں

سارے آئینے ہی دھندلے ہیں وہ دل ہو کہ شعور
ہم کہاں اپنے خد و خال سجا کر دیکھیں

غم کے جوہر نہ کھلے ہم پہ کسی دن بھی نیاز
غم ہے کیا چیز یہ اب خود کو مٹا کر دیکھیں

خلیل حامدی

فیصل کی شہادت پورے عالم اسلام کے لئے ایک ناقابلِ تلافی نقصان تھی۔ شہید نے اپنے اخلاص اور لگاتار محنت کے طفیل عالمِ اسلام کی قیادت کا منصب حاصل کر لیا تھا۔ نو آزاد مسلم افریقی ممالک خاص طور پر مرحوم شہید کی قیادت کے زیرِ سایہ جمع ہو رہے تھے۔ خود سعودی عرب کے اندر وہ مختلف الخیال عناصر اور رجحانات کے درمیان توازن و اعتدال کی حدِ فاصل بنے ہوئے تھے۔ اُن کے اُٹھ جانے سے سعودی عرب بھی نئے حالات سے دوچار ہو گیا اور عالمِ اسلام بھی یکایک ایک جامع المتفرقین قیادت سے محروم ہو گیا۔

فیصل کی شہادت کے بعد عالمِ اسلام ابھی تک جامع اور ہر دلعزیز قیادت سے محروم ہے۔ چنانچہ لبنان کی خانہ جنگی ہو یا صحراء پر مغرب و الجزائر کا باہمی تنازعہ، یا خلیج کی ریاستوں اور ایران کی کشمکش ہو، یہ سب وہ مسائل ہیں جو ایک صاحبِ نظر و اخلاص زعیم کے متلاشی تھے جو انہیں حکمت و دانائی کے ساتھ حل کرتا۔ فیصل موجود ہوتے تو یقیناً یہ مسائل رُو بہ اصلاح ہوتے۔ ان کی عدم موجودگی نے عالمِ عرب کے اندر ایک افراتفری اور نفسا نفسی کی کیفیت پیدا کر دی ہے اور کوئی مکھیا اٹھ کر متحاربین

کو متحد اور متفرقین کو مجتمع کرتا نظر نہیں آتا۔ البتہ ایک بات اظہر من الشمس ہو رہی ہے کہ عالم اسلام کے بعض حکمران اس دھن میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ انہیں فیصل کی جانشینی اور بین الاسلامی قیادت کا منصب حاصل ہو جائے۔ ایک صاحب تو اس خلاء کو اپنی ذات کے ذریعہ پُر کرنے کے لئے لگاتار محنت کر رہے ہیں اور جو اسلوب بھی اس غرض کے لئے انہیں مفید نظر آتا ہے اسے استعمال کرنے سے نہیں چوک رہے ہیں۔ مگر تاریخ میں ایسے مصنوعی اسلوب کبھی کامیاب نہیں ہوئے۔ عالم اسلام کی قیادت کا راز اخلاص و تقویٰ میں مضمر ہے نہ کہ پروپیگنڈہ اور مصنوعی مظاہروں میں۔

شاہ فیصل نے عالم اسلام کے اتحاد کی جو تحریک جاری کی تھی، ان کے جانشینوں نے اعلان کیا ہے کہ وہ اس مشن کو جاری و ساری رکھیں گے۔ شاہ خالد و امیر فہد دونوں اس اعلان کا بار بار اعادہ کر چکے ہیں۔ بیت المقدس کی آزادی کے لئے دونوں بھائیوں نے پچھلے دنوں جہاد کا اعلان کیا تھا۔ قارئین کو یاد ہوگا کہ فیصل مرحوم کی زیر نگرانی سعودی عرب کے اندر اسلامی کانفرنس کا ایک سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ ان کانفرنسوں کی تہ میں یہ عزم کارفرما تھا کہ دنیا بھر کے مسلمانوں کو علمی، سائنسی، معاشرتی اور معاشی اور ادبی ہر سطح پر متعارف و متحد کیا جا سکے۔ ان کی شہادت سے یکدم یہ سلسلہ رُک گیا۔

مگر ایک ہی سال کے وقفے سے موجودہ حکمرانوں نے اس سلسلہ کو دوبارہ شروع کر دیا ہے۔ فروری ۱۹۷۶ء کے آخر میں مکہ معظمہ میں اسلامی معاشیات کی اسلامی کانفرنس منعقد ہو چکی ہے جس میں دنیا بھر سے تین سو کے قریب علمائے اسلام اور ماہرین معاشیات شرکت کر چکے ہیں اور اقتصادی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر اپنی تازہ ترین تحقیقات پیش کر چکے ہیں۔ اب ۲۲ مارچ کو ریاض میں سائنس اور انجینیرنگ پر ایک بین الاقوامی کانفرنس منعقد ہو چکی ہے۔ یہ کانفرنس بھی مسلمان اہل علم کی صلاحیتوں کا اندازہ لگانے اور انہیں باہم متعارف کرانے کا ایک بہترین ذریعہ ثابت ہوئی۔ آئندہ سعودی عرب میں دو اور اہم کانفرنسیں منعقد ہونے والی ہیں ایک تعلیمی کانفرنس اور دوسری قانون اسلامی کانفرنس۔ یہ دونوں کانفرنسیں بھی عالمی پیمانے پر منعقد ہوں گی یہ عالمی اجتماعات جو پے در پے سعودی عرب میں منعقد ہو رہے ہیں ان سے نہ صرف عالمی پیمانے پر اسلام کی آواز بلند ہو رہی ہے بلکہ خود سعودی عرب کے اندر

اسلامی ذہن و فکر رکھنے والے نوجوانوں کو ٹھوس غذا مل رہی ہے۔

رابطۂ عالم اسلامی، ادارۂ تحقیقات و دعوت و ارشاد، جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ، جامعہ اسلامیہ محمد بن سعود ریاض: یہ تمام ادارے دنیا کے اندر معلمین و مبلغین کے ذریعہ اسلامی لٹریچر کی تقسیم و اشاعت کے ذریعے اور مدرسوں اور رفاہی اداروں کے قیام کے ذریعے دنیا کے کونے کونے میں اسلام اور مسلمانوں کی تقویت میں لگے ہوئے ہیں۔ موجودہ حکومت نے ان اداروں کے بجٹ پہلے سے دوگنا کر دیئے ہیں صرف افریقہ کے متحدہ ملکوں میں ان اداروں کی طرف سے بھیجے جانے والے مبلغین سو سے زیادہ ہیں اور لاکھوں روپیوں کا اسلامی لٹریچر مختلف زبانوں میں افریقہ اور مغربی دنیا میں بھیجا جا رہا ہے۔

اسلامی سکریٹریٹ گو تمام مسلم ممالک کا ایک مشترکہ ادارہ ہے مگر اس سکریٹریٹ کے فروغ و ترقی میں سعودی عرب کا نام سرفہرست ہے اسلامی ترقیاتی بنک نیز اتحاد اسلامی فنڈ، اسلامی دعوت و تعلیم کے مراکز کا قیام اور اسلامی نیوز ایجنسی اسلامی سکریٹریٹ کے نمایاں کام ہیں۔ یہ سب کام موجودہ حکومت کی توجہات کا مرکز ہیں جس نظر سے شاہ فیصل ان کاموں کو دیکھتے تھے اسی نظر سے موجودہ حکمران انہیں دیکھ رہے ہیں۔ اسلامی سکریٹریٹ کی طرف سے نائجیریا میں دارالحکومت نیامی سے ۴۸ میل کے فاصلے پر "سائے" شہر میں ایک اسلامی یونیورسٹی قائم کی گئی ہے۔ جس کا نام "اسلامی یونیورسٹی برائے مغربی افریقہ" ہے۔ اس طرح ایک یوگنڈا میں اسلامی یونیورسٹی قائم کی جارہی ہے جس کا دائرۂ کار مشرقی افریقہ ہوگا۔ ان دونوں یونیورسٹیوں کو بروئے کار لانے میں سعودی حکومت کی کوششوں کو دخل حاصل ہے۔

حج کی اصلاحات کا شاہ شہید نے ایک غیر معمولی منصوبہ تیار کر دیا تھا جس میں منیٰ میں قربان گاہ کی توسیع و تنظیم رمی جمرات کی توسیع و تنظیم اور منیٰ اور عرفات کے درمیان مختلف سڑکوں اور راستوں کی تعمیر اور مزدلفہ میں بجلی اور پانی کا وافر انتظام وغیرہ امور شامل ہیں۔ خالد و فہد کی حکومت نے اس منصوبے کے بیشتر اجزا مکمل کر دیئے ہیں۔ جن لوگوں نے دسمبر ۱۹۷۵ء میں حج کیا ہے وہ اس امر کے عینی شاہد ہیں کہ اس حج میں منیٰ میں جمرات سے دو منزلہ راستہ منیٰ کے اندر ایک آہنی پل نما سڑک کی تعمیر اور قربان گاہ کی تنظیم وغیرہ نے مناسک

حج کی ادائیگی میں کس قدر سہولت پیدا کر دی ہے۔

یہ بات درست ہے کہ معلموں کا وہ تکلیف دہ انتظام اور شہر کے اندر مکانوں کے وہ جان لیوا کرائے اور اور اشیائے ضرورت کے کئی گنا نرخ حاجیوں کی شدید پریشانی کا موجب ہوئے ہیں۔ مگر امید ہے کہ آئندہ ان خرابیوں پر بھی توجہ دی جائے گی۔ اور حج میں تجارت کے بجائے عبادت کا رنگ غالب آئے گا۔ اس وقت موجودہ سعودی حکومت جس زبردست چیلنج کا سامنا کر رہی ہے وہ یہ ہے کہ کیا معلّموں کی ' چیرہ دستی اور مالکانِ مکان کی ہوسِ زر ' اور دکان داروں کی لوٹ کھسوٹ کو وہ زیادہ دیر تک برداشت کر سکتی ہے ؟

فیصل شہیدؒ کے جانشیں اب نئی خوبیوں کے ساتھ میدان میں آئے ہیں۔ اور شاید انہیں نئی آزمائشوں سے بھی دوچار ہونا پڑے۔ خالد و فہد کی موجودہ حکومت نوجوان اور فاضل وزرا پر مشتمل ہے۔ وزارتوں کی تقسیم میں انہوں نے علاقوں اور خاندانوں کے جذبات و احساسات کو پوری اہمیت دی ہے۔ محمد بن عبدالوہاب کے خاندان کے پاس پہلے ایک وزارت تھی اور اب اُسے تین وزارتیں دی گئی ہیں۔ سعودی صحافت نے بھی اب نیا رُخ اختیار کر لیا ہے۔ پہلے یہ خبروں کی صحافت سمجھی جاتی تھی اور اب اُسے تبصروں کی صحافت کا مقام حاصل ہو گیا ہے۔ اگر صحافت ملک و قوم کا آئینہ سمجھ لیا جائے تو اس اصول کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سعودی عرب میں فکری کشمکش چھڑ گئی ہے اور اخبارات اس فکری کشمکش میں مختلف محاذوں کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ مثلاً روزنامہ 'عکاظا' جو جدہ سے شائع ہوتا ہے اور جو دیکھتے ہی دیکھتے صفحات اور مواد کے لحاظ سے بھاری بھرکم پرچہ بن گیا ہے۔ اس نظریے کی علمبرداری کر رہا ہے کہ سعودی معاشرہ کو آزاد معاشرہ قرار دیا جائے۔ یہاں نئے نظریات کی آزادی ہو، تہذیب و تمدن کا اسی طرح رواج ہو جس طرح دوسرے معاشروں کے اندر نظر آتا ہے۔ عورت کی آزادی اور ترقی پسندی اس کا خاص موضوع ہے اس کے مقابلے میں روزنامہ 'المدینہ' ہے۔ یہ بھی جدہ سے نکلتا ہے اور یہ عکاظا کا جواب ہے اور اس رجحان کی کفالت کر رہا ہے کہ سعودی معاشرہ کی خصوصی حیثیت قائم رہنا چاہیے۔ اسلام اور اسلامی اقدار پر کوئی حرف نہ آنا چاہیے۔ اور سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی سے بھرپور فائدہ اُٹھانا چاہیے مگر مغربی تہذیب کے مقاصد کو در آنے کا موقع نہ دینا چاہیے۔ دوسرے اخبارات بھی اپنی اپنی استطاعت کی حد تک ا...

معرکے میں حصہ لیتے رہتے ہیں۔

سعودی عرب میں مسرت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ وہاں کا نظام تعلیم بہت بڑی حد تک اسلام کی عکاسی کر رہا ہے۔ اس وقت سعودی عرب میں چھ یونیورسٹیاں قائم ہیں۔ ایک ریاض یونیورسٹی دوسری کنگ عبدالعزیز یونیورسٹی جدہ، تیسری فیصل یونیورسٹی مشرقی صوبہ، چوتھی پٹرول و معدنیات ظہران' یہ چاروں یونیورسٹیاں جدید علوم وفنون کے ادارے ہیں۔ دو اسلامی یونیورسٹیاں ہیں۔ ایک جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ اور دوسری محمد بن سعود اسلامی یونیورسٹی ریاض۔ دو مزید یونیورسٹیاں قائم کی جارہی ہیں۔ ایک خواتین یونیورسٹی اور دوسری مکہ معظمہ میں اُم القریٰ کے نام سے ایک جدید و قدیم علوم کی جامع یونیورسٹی۔ ان تعلیمی اداروں کے اندر جو نسل تربیت پارہی ہے۔ ہم اس سے توقع رکھتے ہیں کہ اس کا ایک بڑا حصہ فروغ اسلام کے لئے برپا ہونے والی فکری تحریک کو مضبوط و مستحکم کرے گا۔ موجودہ سعودی حکمرانوں کو تعلیم کی اشاعت سے غیر معمولی شغف ہے اور بحیثیت مسلمان ہماری خواہش بھی یہ ہے کہ سعودی نوجوان امریکہ اور یورپ میں جاکر تعلیم حاصل کرنے اور وہاں انحراف و بے راہ روی کے خطرات میں اُترنے کے بجائے اپنے ہی ملک کے اندر اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرے اور "ارضِ مقدس" کو غیر مقدس چیزوں سے ملوّث نہ ہونے دے کیونکہ جب ہم یہ پڑھتے ہیں کہ صرف امریکہ کے اندر سعودی عرب کے سات ہزار نوجوان تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور ان کے استقبال اور خدمت کے لئے ۹۲۳ پادری متعین ہیں تو ہمارے دل میں خدشات کا ایک سمندر ابل پڑتا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ خالد اور فہد اور ان کے بھائیوں اور ساتھیوں کو اسلام کی راہ پر گامزن رکھے۔

سعودی عرب کے بعد فیصل شہید

میرے خاندان میں کسی کی شادی کے موقع پر اگر آپ کسی کو خاموش اور غیر مطمئن دیکھیں تو سمجھ لیجیے کہ وہ ہمارے خالوجان ہیں۔ رشتہ طے ہوجانے کے بعد ہم تمام لوگوں کو یہ فکر ہوتی ہے کہ خاندان میں داخل ہونے والی نئی شخصیت کیسی ہے؟ لڑکا کیا کرتا ہے؟ اخلاق و کردار کے لحاظ سے کیسا ہے؟ اگر لڑکی کا معاملہ ہے تو جانے بغیر چین نہیں ہوتا کہ کیسی شکل وصورت کی ہے؟ پڑھی لکھی ہے یا نہیں؟ والدین نے کس طرح کی تربیت دی ہے لیکن شاید خالوجان کے سامنے ان چیزوں کی اہمیت ثانوی ہے۔ سب سے پہلے وہ یہ سوچتے ہیں کہ خاندان کیسا ہے؟ شجرۂ نسب میں کہیں کوئی کھوٹ تو نہیں کم از کم سات پشت تک "مطلوبہ معیار" برقرار رہا ہے یا نہیں؟ خون میں کہیں کوئی ملاوٹ تو نہیں؟

خالوجان کی عمر ٥٠، ٥٥ کے قریب ہوگی۔ دوٹوک گفتگو کرنے کے عادی ہیں جس چیز کو غلط سمجھتے ہیں برملا کہتے ہیں۔ اس بات کا خیال نہیں رکھتے کہ کون برا مانے گا اور کس کی ناراضگی مول لینی پڑے گی۔ کبھی کبھی تو حکمت کے تقاضے بھی بھول جاتے ہیں۔

بدعات اور گمراہی کو قلع قمع کردینے کا عزم رکھنے کے باوجود ایک انسان خود کن کن برائیوں میں ملوث رہتا ہے یہ کہنا مشکل ہے۔ شیطان انسان کو طرح طرح کے فریب میں مبتلا رکھتا ہے۔ میں بھی سمجھ نہیں سکا کہ خالو جان اس جہالت کو جہالت کیوں نہیں سمجھتے۔ شیطان کیسے ان کے سامنے اس جاہلیت کو خوشنما بنا کر لانے میں

کامیاب ہوا ہے۔

اقبال بھائی اکثر خالو جان سے اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہیں۔ میں اقبال بھائی سے بہت متاثر رہا ہوں، ویسے وہ مجھ سے عمر میں چند سال ہی بڑے ہیں لیکن اپنے بزرگوں کی محفل میں بیٹھنا بہت پسند کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ بزرگوں کی محفل میں گفتگو علمی اور اخلاقی رنگ لئے رہتی ہے۔

ایک شام اقبال بھائی کو خالو جان کے گھر جاتے دیکھ کر میں بہت خوش ہوا اور میں بھی اُن کے ساتھ ہو لیا۔ ان دنوں میری چچا زاد بہن کا نکاح خاموشی سے ہوا تھا۔ چچا جان اور چچی جان کو اس بات کا خطرہ تھا کہ اگر نکاح سے پہلے رشتہ کی خبر خالو جان کو ہو گئی تو پتہ نہیں وہ لڑکے کے خاندان میں کیا کیڑا نکال دیں اور پھر رشتہ کا طے پا جانا بہت مشکل ہو جائے" تواصوا بالحق" کے شوق میں ہر جگہ اپنی ریسرچ اور تھیسس کو پیش کرنا شروع کر دیں گے۔ ہوا بھی وہی۔ بات چھپی کب تک رہتی۔ نکاح کے پہلے تو نہیں ہاں، نکاح کے بعد خالو جان کو پتہ چل ہی گیا۔ انھوں نے اپنی غضب ناک یادداشت کے سہارے لڑکے کی ننھیال اور ددھیال کی کئی پشتوں کا جائزہ لینا شروع کر دیا اور پھر انھوں نے ڈھونڈ ھ ہی نکالا۔ لڑکے کے دادا کے دادا نے ایک شادی "کم ذات" میں کی تھی، بس پھر کیا تھا۔ خالو جان نے اس مسئلہ کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ جہاں بیٹھتے وہیں اس پر اظہارِ خیال کرتے۔

اقبال بھائی کو خالو جان کے یہاں جاتے دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ "حالات حاضرہ" پر تبصرہ ہوگا۔ دونوں مبصروں کے خیالات میں اختلاف یقینی تھا اور نتیجتاً میری دل چسپی کا سامان مہیا ہونا تھا۔

خالو جان اور اقبال بھائی کی گفتگو تھوڑی ہی دیر میں اِدھر اُدھر سے ہوتی ہوئی، اصل موضوع پر آگئی۔

"تم تو جانتے ہی ہو کہ کتنا بڑا سانحہ ہو گیا ہے"۔ خالو جان نے اقبال بھائی کو توجہ دلاتے ہوئے ڈرامائی انداز میں کہا۔

"کیا ہوا؟" اقبال بھائی سمجھ نہیں سکے کہ کیسا سانحہ پیش آگیا ہے۔

"ارے وہی، مجھ سے چھپا کر جو نکاح کیا گیا ہے"۔

"توبہ کیجئے جناب۔ آپ بھی اس چھوٹی سی بات کو اتنی اہمیت دے رہے ہیں۔" اقبال بھائی نے خالو جان کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

خالو جان نے کرسی پر پہلو بدلا اور بولے "تم اسے معمولی بات سمجھتے ہو؟ اس سے خاندان کی عزت پر بٹہ لگا ہے۔" پھر ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے بولے "وہ خاندان

عجیب الطرفین

جواب تک پاک وصاف تھا' بے داغ نہ رہ سکا۔ یہ خاندان نجیب الطرفین رہا ہے' اس کی روایت یہ رہی ہے کہ اس سمندر میں جتنے چشمے آکر ملے ان سب کے سوتے صاف وشفاف رہے ہیں۔ کاش یہ روایت برقرار رہتی۔"

" لیکن لڑکے کا خاندان تو بہت اچھا ہے۔ میں خود ان لوگوں سے واقف ہوں۔ شریف لوگ ہیں۔ لڑکا بھی باکردار ہے۔ خلیق وملنسار ہے۔ اچھی سی نوکری کرتا ہے' اور کیا چاہیئے۔ آج کے اس پُرآشوب دور میں۔" اقبال بھائی نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

اقبال بھائی کی بات ختم بھی نہیں ہونے پائی تھی کہ خالوجان پھٹ پڑے۔ "کبھی کفو لفظ سنا ہے۔۔؟ غیر کفو میں نکاح ہوگیا ہے اور تم کہتے ہو کہ اور کیا چاہیئے اس پُرآشوب دور میں۔ اس سے بہتر ہوتا کہ کسی کم پڑھے لکھے معمولی نوکری کرنے والے لڑکے کے ساتھ نکاح کر دیا جاتا۔ کم از کم خاندان کی ناک تو نہیں کٹتی۔"

اقبال بھائی نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "جہاں تک میں نے سمجھا ہے کفو کا مطلب یہ ہے کہ نئے رشتے میں منسلک ہونے والے دونوں خاندانوں کے افراد کا معیارِ زندگی اور اخلاق یکساں ہونا چاہیئے۔ یہ نہیں کہ ذات ایک ہو۔ خود حضورؐ نے کیا کیا؟ کیا آپ نے اپنی شادیوں میں کفو کا وہی مطلب لیا جو آپ کے ذہن میں ہے؟ حضرت زینبؓ کی شادی کی مثال تو بہت مشہور ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مبارک زندگیوں سے بھی مثالوں کو تلاش کیا جا سکتا ہے۔"

گفتگو ایک نیا موڑ لے رہی تھی اور میری دلچسپی بڑھتی جارہی تھی لیکن خالوجان لاجواب ہو چکے تھے۔ انہوں نے یہ کہتے ہوئے کہ "ابھی بچے ہو' دین کے تمام اسرار ورموز کو نہ سمجھ سکو گے۔" گفتگو کو ختم کر دیا۔

کچھ دنوں بعد معلوم ہوا کہ خالوجان کی لڑکی سعیدہ کے لئے دو جگہوں سے رشتے آئے ہیں۔ ایک میرے دوست ندیم اور دوسرے اقبال بھائی کے دوست خلیل کے یہاں سے۔ خالوجان نے ہم دونوں کو بلا بھیجا تاکہ لڑکوں کے بارے میں معلومات حاصل کر سکیں۔ میں نے بھی خالوجان کی رعایت سے ندیم کے خاندان کے بارے پتہ چلایا کہ نجیب الطرفین ہے یا نہیں۔ پتہ چلا کہ کچھ گڑبڑ ہے۔ ندیم ویسے تو ڈاکٹر ہے اور اس کی پریکٹس خوب اچھی ہے لیکن اس کے گھر کا ماحول ہم لوگوں کے معیار کے مطابق نہیں' ندیم ایک غریب اور کم پڑھے لکھے خاندان کا لڑکا ہے۔ اس نے اپنی محنت سے سماج میں اپنی جگہ بنائی ہے۔ مجھے یقین تھا کہ خالہ جان کو یہ رشتہ پسند نہیں آئے گا کیونکہ انہیں جس چیز کی تلاش رہتی ہے وہ یہاں نہیں تھی

مَیں نے تمام باتیں صاف صاف خالوجان کو بتا دیں۔ اقبال بھائی نے خلیل کے بارے میں اپنی تمام معلومات کو خالوجان تک پہنچا دیا ــــ "خلیل بہت ہی اچھا لڑکا ہے، اوسط درجے کی نوکری کرتا ہے۔ نہ بہت ہی غریب ہے اور نہ بہت ہی امیر۔ کھاتے پیتے لوگ ہیں شریف خاندان ہے۔ خاندان آپ کے معیار پر پورا اترتا ہے یا نہیں یہ مَیں نہیں جانتا۔"

"ارے بھئی اس خاندان سے اچھی طرح واقف ہوں الکل اپنا خون ہے۔ نجیب الطرفین ہے۔" خالوجان نے بتایا۔ اپنا اپنا فرض ادا کر کے ہم دونوں خالوجان سے اجازت لے کر چلے آئے۔ بعد میں یہ سنسنی خیز خبر ملی کہ خالوجان نے خلیل کے رشتہ کو نامنظور کر دیا اور ندیم کو اپنا داماد بنانا پسند کیا ہے۔ اس خبر پر بہت مشکل سے یقین آیا۔ خالوجان کو خلیل پسند نہیں آیا جبکہ اس کا خاندان خالوجان کے حساب سے کھاتی پیتی ہے ــــ نجیب الطرفین ہے۔ لڑکا ہر طرح سے اچھا ہے۔ یہاں تک تو خیر بہت زیادہ تعجب نہیں ہوا لیکن حیرت تو اس پر ہے کہ ندیم کیسے خالوجان کے معیار پر پورا اُترا؟ اس کا خاندان تو خالوجان کے خیال کے مطابق غیر کفو ہے۔

کیا ندیم کی اچھی پریکٹس وجہ انتخاب بنی؟
کیا خالوجان کے خیالات میں تبدیلی آگئی؟
اور کیا یہ تبدیلی خوشگوار ہے؟

غزل

شفق صدیقی

ایٹم کے دستِ تنگ میں اُس کو چھپا دیا
لگتا ہے اپنے ہاتھ میں یہ کائنات ہے

جس کو سمجھ رہا تھا میں اک سنگ رہ گزر
قائم اسی سے زینتِ صد حادثات ہے

رنج و الم کی دھوپ کا جس میں نہیں گزر
لوگو! مری نگاہ میں وہ کائنات ہے

جینے کی آرزو ہے مگر دیکھتا ہوں مَیں
مقتل میں سر جھکائی ہوئی کائنات ہے

لذتِ حیات کا اک درس ہیں شفق
دن ہے ہمارے سامنے اور پیچھے رات ہے

مجیب الطرفین

رمضان کا مہینہ وہ مبارک مہینہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر انسانوں کے حق میں اپنی سب سے بڑی نعمت یعنی قرآن نازل فرمایا۔ یہ مہینہ بے انتہا برکتوں اور گوناگوں خوبیوں کا مہینہ ہے۔ یہ نیکیوں کا موسم بہار ہے۔ یہ مہینہ ہر سال عملِ صالح، ذکر و عبادت اور قلبی و روحانی پاکیزگی کے نہ جانے کتنے مواقع اپنے ساتھ لاتا ہے۔ ہماری خوش نصیبی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری مہلتِ عمل میں وسعت دی اور ہم اس سال پھر ایک بار اس مہینہ کی برکتوں سے فیضیاب ہو سکیں گے۔

ماہِ رمضان کا چاند طلوع ہونے کے بعد ۲۹ یا ۳۰ دنوں تک مسلمانوں کے لئے جیسی مصروفیت کا موقع ہوتا ہے اس کا حقیقی لطف تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کی زندگی میں ہی ملتا ہے۔ وہیں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ رمضان کے روزوں کا مقصد کیا ہے اور اس کے احترام کا اصلی تقاضا کیا ہے — اب ذرا اس زمانہ کو دیکھئے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کا زمانہ ہے اور اس کے مقابلہ میں اپنے گرد و پیش کے مسلم معاشرہ پر نظر ڈالئے۔ آپ دیکھیں گے کہ رمضان کے مشاغل روزوں کے اہتمام اور دوسرے احکام کی پیروی کے معاملہ میں ان دونوں زمانوں میں زمین آسمان کا فرق ہے اگر

زمانہ میں یہ تصوّر تک نہیں کیا جا سکتا تھا کہ کوئی شخص اپنے آپ کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کا فرد بھی کہے اور پھر روزہ کی طرف سے بے پروائی بھی برتے۔ لیکن آج ہمارے اِردگرد کتنے ایسے افراد ہیں جو اپنے کو مسلمان کہتے ہیں اور کہلواتے ہیں لیکن سرے سے روزہ رکھتے ہی نہیں رمضان کا مہینہ آتا ہے اور گذر جاتا ہے مگر اس کا ان پر کوئی پرتو بھی نہیں پڑتا، نہ انہیں روزہ کی برکتوں کا احساس ہوتا ہے نہ زندگی کے معمولات میں کوئی فرق آتا ہے۔

ایسی کتنی ہی مثالیں ہمارے اپنے معاشرہ میں ہر سال دیکھنے میں آتی ہیں سوال یہ ہے کہ آخر ایسا کیوں ہے۔ بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا لوگوں کو روزے کے فرض ہونے کا علم نہیں ہے یا وہ اس کی اہمیت کو نہیں سمجھتے، مگر یہ بھی نہیں ہے، یہ لوگ روزے کی فرضیت کا بھی علم رکھتے ہیں اور اس کی فضیلت بھی خوب سمجھتے ہیں۔ دراصل یہ لوگ روزہ نہ رکھنے کا جو عذر پیش کرتے ہیں وہ یہ کہ روزہ کی بھوک پیاس اور مشقت ہم برداشت نہیں کر سکتے۔ عام دنوں میں اچھے خاصے بھلے چنگے، مطمئن اور صحت مند نظر آنے والے لوگ رمضان کے روزے صرف اس لئے چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ بارہ چودہ گھنٹوں کے لئے اپنے آپ کو کھانے پینے اور دوسری لذّتوں سے باز نہیں رکھ سکتے۔ ہر وہ شخص جو ذرا بھی دین پر گہری نگاہ رکھتا ہے اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ اس عذر کی حقیقت کیا ہے اور اس میں کتنا وزن ہے۔

ان لوگوں کے لئے تو خیر معاملہ آسان ہے جو روزے کو سرے سے اہمیت ہی نہیں دیتے یا اسے محض ایک "پرانی مذہبی رسم" سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں کا یہ انداز چونکہ ایک خاص طرزِ فکر کا نتیجہ ہے اس لئے جب تک وہ اپنے سوچنے کا اصل طریقہ نہ بدل دیں ان سے روزے کے احترام کی کوئی توقع رکھنا فضول ہے لیکن جو لوگ روزے کو فرض سمجھتے ہیں اور اس کی اہمیت سے بھی واقف ہیں وہ اگر صرف بھوک پیاس اور مشقّت سے گھبرا کر روزہ چھوڑ دیں تو یہ بڑی ہی عجیب و غریب اور افسوس ناک بات ہے ہم میں ہر شخص کا یہ تجربہ ہے کہ دنیا میں کوئی قیمتی چیز، کوئی فائدہ، کوئی درجہ یا کوئی کامیابی اسی وقت حاصل ہوتی ہے جب ہم اس کے لئے دُشواریاں مول لیتے ہیں مشقتیں اُٹھاتے ہیں۔ جدوجہد کرتے ہیں، اسی طرح ہم اپنے حال اور مستقبل کے بارے میں کچھ اس

انداز سے سوچنے کے عادی ہیں کہ آج کی چھوٹی سی مصیبت برداشت کرنا کل کی بہت بڑی آفت اُٹھانے سے بہتر ہے۔ اگر ہمیں یہ معلوم ہو کہ آج تھوڑی سی تکلیف برداشت کر لینے سے کل بہت بڑا آرام نصیب ہوگا تو ہم آج کی تکلیف کو ترجیح دیں گے، کل کی محرومی برداشت نہیں کریں گے۔ دور کیوں جایئے جس کھانے کی لذت اکثر روزے سے روکے رکھتی ہے اسی پر ایک نگاہ ڈال لیجئے۔ کسان اپنے ذخیرے کا ایک بہت بڑا حصہ صرف اس لئے مٹی میں ملا دیتا ہے کہ کل اس سے بہت کچھ پانے کی اُمید ہے۔ آج چاہے اسے اپنا تھوڑا سا پیٹ ہی کاٹنا پڑ جائے، کل فاقہ پر فاقہ کی نوبت تو نہیں آئے گی ___ روزہ کے معاملہ میں بھی کچھ اسی انداز سے سوچنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے روزہ کو فرض ٹھہرایا ہے تو اس سے بہت سے فائدے وابستہ کر دیئے ہیں۔ بظاہر اس میں بھوک پیاس کی مشقت ضرور ہے مگر ہماری نظر اس سے بلند ہو کر اس کے فائدوں پہ رہنی چاہئے۔ روزہ کے ذریعہ جو زبردست تربیت ہوتی ہے جس طرح کی روحانی پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔ اور سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر و ثواب اور رحمت و مغفرت کی جو بارش ہوتی ہے وہ اتنی بڑی نعمتیں ہیں جو کسی اور طریقہ سے مشکل ہی سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ اگر کوئی حقیقتاً ان نعمتوں کی قدر و قیمت پہچانتا ہے تو اس کے لئے چند گھنٹوں کی مشقت ذرا بھی بار نہیں بن سکتی ___ اسی طرح ہر وہ شخص جو روزے کی فرضیت کا علم رکھتا ہے اسے یہ بھی معلوم ہوگا کہ ایک فرض عبادت کو چھوڑ دینے کا قیامت میں کیا انجام ہونے والا ہے ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ روزہ کی حالت میں ہم جو تھوڑی سی بھوک پیاس برداشت کر لیتے ہیں تو اس کے بدلہ میں ہمیں قیامت کی دائمی مشقت اور بھوک پیاس سے نجات مل جاتی ہے۔ دنیا کو ایک سے ایک عذر پیش کر کے مطمئن کیا جا سکتا ہے لیکن عذر کی حقیقت اس ہستی سے کبھی چھپی نہیں رہ سکتی جس کے ہاتھ میں ہمارا انجام ہے۔ اگر سورج کے طلوع ہونے سے اس کے غروب ہونے تک کے وقفہ کی تکلیف کوئی برداشت کرنا نہیں چاہتا تو گویا وہ قیامت کی نامعلوم مدت کی تکلیف کو ترجیح دے رہا ہے۔ خدانخواستہ اگر ایسا ہے اور فی الواقع ایسا ہو بھی رہا ہے تو یہ اپنے حق میں بے حد نقصان کا سودا ہے۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ روزے کو فرض عبادت بھی سمجھنا اور پھر اس سے گریز کرنا دراصل فکر اور عمل کا نہایت خطرناک تضاد ہے جس کے باقی رہتے

ہوئے نہ صرف یہ کہ انسان کو اپنے عقیدہ کا کوئی فائدہ نہیں پہنچتا بلکہ رفتہ رفتہ خود اس کا اعتقاد و یقین بھی زنگ آلود ہونے لگتا ہے۔ یہ تو آپ جانتے ہیں کہ آدمی کی کسی رائے کو اس وقت تک کوئی وزن حاصل نہیں ہوتا جب تک وہ خود اپنی رائے پر عمل نہ کرتا رہے۔

اسی طرح اگر صحیح معنوں میں آپ کو روزہ کی فرضیت اور اہمیت پر یقین ہے تو پھر آپ کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ روزہ کے احکام کی پیروی کریں اور اس کی پابندیاں قبول کریں۔ اگر آپ ایسا نہیں کرتے ہیں تو در اصل اپنے عقیدہ کے مزاج کے خلاف کام کر رہے ہیں۔ اس لئے انسان جب کوئی عقیدہ اپنے دل میں قائم کرتا ہے تو فطری طور پر یہ عقیدہ اس کے اعمال اور ظاہری حرکات میں ڈھل جانے کی کوشش کرتا ہے اور جتنا جتنا انسان کی طرف سے اسے ظاہر ہونے کا موقع ملتا ہے وہ عملی زندگی میں تبدیلی پیدا کرتا چلا جاتا ہے لیکن اگر اسے عمل کی تائید حاصل نہ ہو تو مجرد عقیدہ انسان کو کوئی فائدہ کبھی نہیں پہنچا سکتا۔ اسلام کے نزدیک روزہ کی فرضیت اور اہمیت کا یقین اس وقت تک بے معنیٰ ہے جب تک آدمی اس کی مشقتوں کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہ ہو جائے اس کے بغیر نہ دنیا میں اس کا کوئی نتیجہ بر آمد ہو سکتا ہے نہ آخرت ہی میں کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ جب تک عقیدہ کو عمل کا تعاون اور اس کی تائید حاصل رہتی ہے اس وقت تک خود عقیدہ میں تازگی اور پختگی پیدا ہوتی جاتی ہے گویا عقیدہ اور عمل کا آپس میں نہایت گہرا تعلق ہے اگر عمل کی تائید اور تعاون حاصل نہ ہو تو رفتہ رفتہ عقیدہ مرجھانے لگتا ہے۔ اس پر پردے پڑتے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک دن ذہن سے محو بھی ہو سکتا ہے چنانچہ یہ اقرار کہ روزہ ایک اہم عبادت ہے ہرگز دل کے اندر پختہ نہیں رہ سکتا۔ اگر اس عبادت کی ادائگی کا اہتمام نہ کیا جائے، جب تک روزہ رکھ کر روزہ کی برکتوں کا تجربہ نہ کریں روزہ کی فضیلت کا یقین بھلا کیسے قائم رہ سکتا ہے۔ جیسے جیسے روزہ کی طرف سے غفلت بڑھتی جائے گی ویسے ویسے روزہ کی فرضیت کے یقین میں بھی کمزوری آتی جائے گی۔ اور یہ تصور ماند پڑ جائے گا کہ روزہ بھی ایک فرض اور اہم عبادت ہے۔ پھر اتنا ہی نہیں ہوگا بلکہ اس روزے کا تصور محو ہو جانے کے بعد رفتہ رفتہ اللہ کی کتاب اور اس کے دین کی بھی باری آئے گی اور ان سب سے یقین کم ہوتا جائے گا، کیونکہ جب ایمان میں کمی آنے کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے تو پھر دھیرے دھیرے انکار

الحاد تک بات پہنچنے میں دیر نہیں لگتی۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ انسان دیر تک ایسی حالت پر قائم نہیں رہ سکتا کہ وہ ایک کام کو سراسر غلط سمجھ کر کرتا رہے۔ کچھ دنوں تک یہ کیفیت ضرور رہتی ہے مگر پھر وہ رفتہ رفتہ اس غلط کو صحیح اور برائی کو عین بھلائی ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ انسان کی فطرت یہ ہے کہ جب وہ کوئی غلط قدم اٹھاتا ہے تو اس کے ضمیر اور اس کے نفس کے درمیان کشمکش شروع ہوجاتی ہے ضمیر ملامت کرتا ہے اور نفس تائید کرتا ہے اگر انسان ہوشیاری سے کام لے اور پہلے ہی مرحلہ میں اصلاح کرلے تو وہ غلطی سے محفوظ ہوجاتا ہے لیکن اگر شروع میں اس کی طرف توجہ نہیں دیتا تو پھر اس کے واپس آنے کے مواقع کم ہوجاتے ہیں اور غلطی پر قائم رہنے کی وجہ سے اس کے نفس کی تائید ہوتی رہتی ہے۔ اس طرح کچھ ہی دنوں میں ضمیر خاموش ہوجاتا ہے اور نفس کی حکمرانی ہوتی ہے۔ اس کے بعد نفس اس غلطی کے احساس کو بھی ختم کرکے اسے بالکل صحیح عمل ثابت کرنے لگتا ہے یہاں تک کہ انسان اپنی غلطی کو بالکل درست تسلیم کرلیتا ہے۔ یعنی ؎

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا

یہی وہ حالت ہے جس پر قرآن نے جگہ جگہ زُیِّنَ لَهُمْ سُوْءُ اَعْمَالِهِمْ (ان کی نظر میں ان کے برے اعمال کو عمدہ بنادیا گیا ہے)، کے الفاظ سے تبصرہ کیا ہے —— خلاصہ کلام یہ ہے کہ روزہ رکھنا خود اپنے عقیدہ اور ایمان کی حفاظت کے لئے بھی ضروری ہے۔ روزہ چھوڑ کر یہ سمجھنا کہ اس کی فرضیت اور فضیلت کا تو ہمیں یقین ہے لہٰذا یہ بڑی سخت مغالطہ ہے۔ جیسا کہ ہم اوپر بتا چکے ہیں کہ روزہ سے غفلت کا نتیجہ دھیرے دھیرے خود روزہ کے عقیدہ اور خدا کی کتاب سے بھی غفلت کی صورت میں ظاہر ہوگا اور یہ سب کچھ انتہائی خاموش طریقہ سے ہوگا کہ جسے عام حالات میں محسوس بھی نہیں کیا جاسکتا۔ کیا کوئی سوچ سکتا ہے کہ ایمان و یقین سے یہ زبردست محرومی صرف ایک ذرا سی مشقت سے بچنے کے نتیجے میں ہاتھ آئے گی۔ اب آپ فیصلہ کیجئے کہ ایک طرف ایسا شخص ہے جو شروع شروع میں روزہ یا کسی عبادت سے بچنے کے نتیجہ میں دھیرے دھیرے ایمان سے محرومی اور خدا کی کتاب سے بیزاری کی حد تک پہنچ جاتا ہے دوسری طرف وہ شخص ہے جس نے شروع سے ہی خدا کی کتاب اور اس کی عبادت کو تسلیم نہیں کیا

مجیب اللہ ندوی

اعتکاف کے احکام

اعتکاف کے معنی ٹھہرنے اور الگ ہونے کے ہیں۔ شریعت میں رمضان کے آخری دس دنوں میں دنیاوی کاروبار اور بیوی بچوں سے الگ ہو کر اور کٹ کر مسجد میں ٹھہرنے کو اعتکاف کہتے ہیں۔

اعتکاف کا ذکر قرآن میں بھی ہے اور حدیث میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری دس دنوں میں مسجد میں اعتکاف فرماتے تھے اور آپؐ کے ساتھ صحابہؓ بھی اعتکاف کرتے تھے۔ آپؐ اعتکاف کو اتنی اہمیت دیتے تھے کہ اگر وہ کبھی کسی وجہ سے چھوٹ جاتا تھا تو عید کے زمانے میں اسے پورا فرماتے تھے۔ اس زمانہ میں لوگوں نے یہ سنت بالکل چھوڑ دی ہے۔ اس کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔ جس بستی میں ایک آدمی بھی اعتکاف نہ کرے تو پوری بستی کے لوگ گنہگار رہیں گے۔

اعتکاف کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ جب آدمی تمام دنیاوی کاروبار اور نفسانی خواہشات سے الگ ہو کر کچھ دنوں تک ہر وقت خدا کی عبادت اور اس کے ذکر میں لگا رہے گا تو اس سے خدا اور اس کے درمیان تعلق مضبوط ہوگا۔ اور جب وہ اس مدت میں ہر طرح کے فضول کاموں اور فضول باتوں سے بچے گا اور ہر وقت خدا کی یاد اس کے دل میں تازہ رہے گی تو اس سے اس کو یہ سبق ملیگا کہ ایک بندے کو پوری زندگی میں اسی طرح بری باتوں سے بچنا، اپنے نفس کو قابو میں رکھنا اور خدا کی یاد دل میں تازہ رکھنی چاہیے۔

اعتکاف کا طریقہ یہ ہے کہ مسجد کے ایک گوشہ میں اپنے لیے ایک خاص جگہ کر لے اور ایک پردہ باندھ کر ایک حجرے کی طرح بنا لے اور اس میں دس دن تک رہے۔ لیکن پردہ اس طرح باندھنا چاہیے کہ جماعت کے وقت اس کو اٹھانے کی ضرورت ہو تو اٹھا دیا جائے۔ اس جگہ کو شریعت میں مُعتکَف کہتے ہیں۔ اسی جگہ اس کو کھانا پینا اور سونا چاہیے۔ اس سے باہر بلا ضرورت نہ نکلنا چاہیے۔

بیس تاریخ کو عصر کی نماز پڑھ کر اعتکاف میں بیٹھ جانا چاہیے اور جب عید کا چاند دکھائی دے جائے تو اس سے باہر چلا آنا چاہیے۔

یہ مردوں کا حکم ہے۔ عورتوں کا مسجد میں اعتکاف کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ ان کے لیے اعتکاف کی بہترین جگہ وہ ہے جہاں وہ پنج وقتہ نماز پڑھتی ہیں۔ اگر نماز کی کوئی جگہ مقرر نہ ہو تو پھر گھر کے کسی بھی صاف اور ستھرے حصہ میں اعتکاف کر سکتی ہیں۔

اعتکاف کے لیے تین باتیں ضروری ہیں۔ (۱) مردوں کے لیے مسجد میں اور عورتوں کے لیے گھر میں دس دن تک ٹھہرنا، (۲) اعتکاف کی نیت کرنا۔ اعتکاف کی نیت کے بغیر دس دن کوئی مسجد میں ٹھہرا رہے تو وہ اعتکاف نہیں ہوگا۔ (۳) نجاست حکمی

اور حیض ونفاس سے پاک ہونا۔
رمضان کے دنوں کے علاوہ بھی اعتکاف کرنے کی اجازت ہے۔ اس اعتکاف میں روزہ رکھنا بھی ضروری نہیں ہے لیکن یہاں جس مسنون اعتکاف کا ذکر کیا جارہا ہے اس کے لیے روزہ رکھنا ضروری ہے۔ اگر مرد کو کسی وجہ سے روزہ توڑنا پڑے تو اعتکاف بھی ٹوٹ گیا۔ اسی طرح اگر عورت کو حیض آجائے تو اس کا اعتکاف بھی ختم ہوگیا۔
دو قسم کے کام اعتکاف میں حرام ہیں پہلی قسم (۱) بلا ضرورت اعتکاف کی جگہ سے باہر نکلنا حرام ہے۔ جن ضرورتوں سے باہر نکل سکتا ہے وہ دو طرح کی ہیں۔ ایک آدمی کی طبعی ضرورتیں جیسے کھانا پینا، پیشاب، پاخانہ، غسل وغیرہ۔ دوسری شرعی ضرورتیں۔ مثلاً جمعہ کی نماز کے لیے جامع مسجد جانا۔ کوئی شخص نماز جنازہ پڑھانے والا نہ ہو تو نماز پڑھانے کے لیے جانا وغیرہ لیکن ان ضرورتوں کے سلسلہ میں چند ضروری باتیں یاد رکھنی چاہیئیں۔

۱۔ اگر مسجد میں پیشاب خانہ یا پاخانہ ہو تو اسی میں رفع حاجت کرنا چاہیئے۔ اگر مسجد میں یا مسجد کے قریب پیشاب پاخانہ کا انتظام نہ ہو اور اس کا گھر دور ہو تو جو جگہ قریب سے قریب ہو وہیں جانا چاہیئے۔ البتہ اگر قریب کی جگہ پاخانہ جانے میں بے پردگی ہوتی ہو یا کوئی اور رکاوٹ ہوتی ہو تو پھر اپنے گھر یا اور مقام پر جا سکتا ہے۔

۲۔ غسل کے لیے وہ مسجد سے باہر اسی وقت نکل سکتا ہے جب یہ غسل شرعی ہو یعنی اس کو احتلام وغیرہ ہوگیا ہو تو وہ مسجد سے باہر نکل کر غسل کر سکتا ہے۔ لیکن صرف بدن کی صفائی کے لیے غسل کرنے کے لیے باہر نکلنا ناجائز ہے۔

۳۔ جمعہ کی نماز کے لیے اگر جامع مسجد جانا ہو تو اسے سنت پڑھ کر جانا چاہیئے۔ اور خطبہ اور نماز سے فارغ ہو کر فوراً واپس آجانا چاہیئے۔ اور سنت یہیں پڑھنا چاہیئے۔

۴۔ اگر کوئی کھانا، پانی لے جانے والا نہ ہو تو وہ اس کے لیے بھی گھر جا کر کھانا کھا سکتا ہے اور کنوئیں سے پانی نکال سکتا ہے۔

۵۔ اگر مسجد کے اندر وضو کے پانی کا انتظام نہیں ہے اور کوئی اس کو پانی دینے والا بھی نہ ملے تو وہ وضو کے لیے مسجد کے باہر جا سکتا ہے۔

۶۔ جس کام کے لیے بھی مسجد سے باہر جائے اس کو پورا کرنے کے بعد ایک منٹ بھی نہ ٹھہرے اور نہ کسی سے بلا ضرورت بات چیت کرے بلکہ فوراً واپس آجائے۔

۷۔ وضو کے لیے حتی الامکان ایسی جگہ بیٹھنا چاہیئے کہ جسم مسجد سے باہر نہ ہو اور وضو کا پانی مسجد میں نہ گرے۔

۸۔ بھولے سے بھی اپنے معتکف کو چھوڑنا مکروہ ہے۔

مسجد سے باہر نکلنے کا مطلب یہ ہے کہ جتنی جگہ میں عام طور پر نماز پڑھی جاتی ہے اتنا حصہ مسجد میں شامل ہے اور جہاں عام طور پر نماز نہیں پڑھی جاتی ہے بلکہ وہ دوسرے کاموں کے لیے ہے مثلاً پیشاب خانہ، پاخانہ، غسل خانہ، وضو خانہ یا وضو کی منڈیر جوتہ اتارنے کی جگہ۔ یہ سب مقامات مسجد کے حکم میں نہیں ہیں۔ ان میں بلا ضرورت جانا مسجد سے باہر جانا شمار ہوگا۔ اور اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔

دوسری قسم جو افعال اعتکاف کی حالت میں حرام یا مکروہ تحریمی ہیں وہ یہ ہیں:۔

۱. مباشرت کرنا خواہ قصداً یا سہواً مسجد کے اندر ہو یا باہر جس صورت میں بھی ہو اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔
۲. عورت کا بوسہ لینا اس سے بغلگیر ہونا۔ ان افعال سے اعتکاف ٹوٹتے گا تو نہیں لیکن ایسا کرنا مکروہ تحریمی اور ناجائز ہے۔
۳. اعتکاف میں دنیاوی کام کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ اگر گھر میں کوئی دوسرا آدمی گھر کی ضروریات کا پورا کرنے والا نہ ہو تو بقدر ضرورت بھر وہ کر سکتا ہے۔
۴. اعتکاف میں بالکل چپ چاپ بیٹھے رہنا مکروہ تحریمی ہے یعنی اس کو کچھ نہ کچھ دینی کام کرتے رہنا چاہیئے بمثلاً قرآن پڑھے۔ ذکر و اذکار کرے۔ یا کسی دینی تحریر کے لکھنے میں مشغول رہنا چاہیئے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی

تراویح کی نماز

نبی صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے زمانوں کی نسبت رمضان کے زمانے میں قیام لیل کے لئے زیادہ ترغیب دیا کرتے تھے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ چیز آپ کو بہت محبوب تھی۔

صحیح روایات سے ثابت ہے کہ حضورؐ نے ایک مرتبہ رمضان المبارک میں تین رات نماز تراویح جماعت کے ساتھ پڑھائی اور پھر یہ فرما کر اسے چھوڑ دیا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں یہ تم پر فرض نہ ہو جائے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تراویح میں جماعت مسنون ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تراویح فرض کے درجہ میں نہیں ہیں۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضورؐ چاہتے تھے کہ لوگ ایک پسندیدہ سنت کے طور پر تراویح پڑھتے رہیں۔ مگر بالکل فرض کی طرح لازم نہ سمجھ لیں۔

تمام روایات کو جمع کرنے سے جو کچھ حقیقت سے قریب تر معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ حضورؐ نے خود جماعت کے ساتھ رمضان میں جو نماز پڑھائی وہ اول وقت تھی نہ کہ آخر وقت میں۔ اور وہ آٹھ رکعتیں تھیں نہ کہ بیس۔ (اگرچہ ایک روایت بیس رکعت کی بھی ہے مگر وہ آٹھ رکعت والی روایت کی بہ نسبت ضعیف ہے) نہ کہ یہ کہ لوگ حضورؐ کے ساتھ نماز پڑھنے کے بعد واپس جا کر اپنے طور پر مزید کچھ رکعتیں بھی پڑھتے تھے۔ وہ مزید رکعتیں کتنی ہوتی تھیں؟ اس کے بارے میں کوئی واضح بات نہیں ملتی لیکن بعد میں جو حضرت عمرؓ نے ۲۰ رکعتیں پڑھنے کا طریقہ رائج کیا

اور تمام صحابہؓ نے اس سے اتفاق کیا۔ اس سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ وہ زائد رکعتیں بارہ ہوتی تھیں۔

حضورؐ کے زمانے سے لے کر حضرت عمرؓ کے ابتدائی زمانے تک باقاعدہ ایک جماعت میں سب لوگوں کے تراویح پڑھنے کا طریقہ رائج نہ تھا بلکہ یا تو لوگ اپنے اپنے گھروں میں نماز پڑھتے تھے یا مسجد میں متفرق طور پر چھوٹی چھوٹی جماعتوں کی شکل میں پڑھا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے جو کچھ کیا وہ صرف یہ تھا کہ اسی تفرق کو دُور کر کے ایک جماعت کی شکل میں نماز پڑھنے کا حکم دے دیا۔ اس کے لئے حضرت عمرؓ کے پاس یہ حجت موجود تھی کہ حضورؐ نے خود تین بار جماعت کے ساتھ تراویح پڑھائی تھی۔ اس لئے اس فعل کو بدعت نہیں کہا جاسکتا اور چونکہ حضورؐ نے اس سلسلہ کو یہ فرما کر بند کیا تھا کہ کہیں یہ فرض نہ ہوجائے اور حضورؐ کے گذر جانے کے بعد اس امر کا اندیشہ باقی نہ رہا تھا کہ کسی کے فعل سے یہ چیز فرض قرار پا سکے گی۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے ایک سنت اور مندوب چیز کی حیثیت سے اس کو جاری کر دیا۔ یہ حضرت عمرؓ کے تفقہ کی بہترین مثالوں میں سے ایک ہے کہ انہوں نے شارع کے منشا کو ٹھیک ٹھیک سمجھا اور امت میں ایک صحیح طریقہ کو رائج فرما دیا۔

صحابۂ کرامؓ میں سے کسی کا اس پر اعتراض نہ کرنا، بلکہ بسروچشم اسے قبول کر لینا، یہ ثابت کرتا ہے کہ شارع کے اس منشا کو بھی ٹھیک ٹھیک پورا کیا کہ "اسے فرض کے درجہ میں نہ کر دیا جائے"۔ چنانچہ کم از کم ایک بار تو ان کا تراویح میں شریک نہ ہونا ثابت ہے جبکہ وہ عبدالرحمٰن بن عبد کے ساتھ نکلے اور مسجد میں لوگوں کو تراویح پڑھتے دیکھ کر اظہار تحسین فرمایا۔

حضرت عمرؓ کے زمانے میں جب باقاعدہ جماعت کے ساتھ تراویح پڑھنے کا سلسلہ شروع ہوا تو باتفاق صحابہؓ بیس رکعتیں پڑھی جاتی تھیں اور اسی کی پیروی حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانے میں بھی ہوئی تینوں خلفاء کا اس پر اتفاق اور پھر صحابہؓ کا اس میں اختلاف نہ کرنا یہ ثابت کرتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے لوگ تراویح کی بیس ہی رکعتوں کے عادی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ تینوں بیس ہی رکعت کے قائل ہیں اور ایک قول امام مالکؒ کا بھی اسی کے حق میں ہے۔ داؤد ظاہری نے بھی اسی کو سنت ثابتہ تسلیم کیا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اور حضرت ابان بن عثمانؒ نے بیس کے بجائے چھتیس رکعتیں پڑھنے کا جو طریقہ

شروع کیا اُس کی وجہ یہ نہ تھی کہ ان کی تحقیق خلفائے راشدین کی تحقیق کے خلاف تھی بلکہ ان کے پیش نظر یہ تھا کہ مکہ سے باہر کے لوگ ثواب میں اہلِ مکہ کے برابر ہو جائیں۔ اہلِ مکہ کا قاعدہ یہ تھا کہ وہ تراویح کی ہر چار رکعتوں کے بعد کعبہ کا طواف کرتے تھے۔ ان دونوں بزرگوں نے ہر طواف کے بدلے چار رکعتیں پڑھنی شروع کر دیں۔ یہ طریقہ چونکہ اہل مدینہ میں رائج تھا، اور امام مالکؒ اہلِ مدینہ کے عمل کو سند سمجھتے تھے اس لئے انہوں نے بعد میں ۲۰ کے بجائے ۳۶ کے حق میں فتویٰ دیا۔

علماء جس بنا پر یہ کہتے ہیں کہ جس بستی یا محلہ میں سرے سے نماز تراویح باجماعت اَدا ہی نہ کی جائے اس کے سب لوگ گناہگار رہیں وہ یہ ہے کہ تراویح ایک سنت الاسلام ہے جو عہدِ خلافتِ راشدہ سے تمام امت میں جاری ہے۔ ایسے ایک اسلامی طریقہ کو چھوڑ دینا دین سے ایک بے پروائی کی علامت ہے جس کو اگر گوارا کر لیا جائے تو رفتہ رفتہ وہاں سے تمام اسلامی طریقہ کے مٹ جانے کا اندیشہ ہے۔

اس امر میں اختلاف ہے کہ تراویح کے لئے افضل وقت کون سا ہے؟ عشاء کا وقت ؟ یا تہجد کا ؟ دونوں کے حق میں ہیں۔ مگر زیادہ تر رجحان آخر وقت ہی کی طرف ہے۔ البتہ اوّل وقت کی ترجیح کے لئے یہ بات بہت وزنی ہے کہ مسلمان بحیثیت مجموعی اول وقت ہی کی تراویح پڑھ سکتے ہیں! آخر وقت اختیار کرنے کی صورت میں اُمت کے سوادِ اعظم کا اس ثواب سے محروم رہ جانا ایک بڑا نقصان ہے اور اگر چند صلحاء آخر وقت کی فضیلت سے مستفید ہونے کی خاطر اول وقت کی جماعت میں شریک نہ ہوں تو اس سے یہ اندیشہ ہے کہ عوام الناس یا تو ان صلحاء سے بدگمان ہوں، یا ان کی عدم شرکت کی وجہ سے خود ہی تراویح چھوڑ بیٹھیں یا پھر اُن صلحاء کی تہجد خوانی کا ڈھنڈورہ پیٹنے پر مجبور ہو نا پڑے۔

هٰذا ما عندی والعلم عند الله وهو اعلم بالصواب۔

جمعہ کے خطبے (ابو سلیم محمد عبدالحی)

عوام میں دینی رُوح بیدار رکھنے کے لئے جمعہ کی نماز سے پہلے خطبہ دیا جاتا ہے۔ مختصر خطبے عربی زبان میں اور اس کے ساتھ ساتھ الگ الگ عنوانات پر ۴۲ خطبے اُردو زبان میں جمع کر دیئے گئے ہیں جن میں عیدین کے علاوہ نکاح کا خطبہ بھی شامل ہے۔ قیمت ۶/۳۰

خیر و تقویٰ کے گلستاں پہ بہار آئی ہے

ابوالمجاہد زاہد

پھر بڑی دھوم سے ماہِ رمضاں آپہونچا

زندگی بخش مسرت کی مبارک کرنیں
دلِ ہر بندۂ مومن میں کھِلی جاتی ہیں
رقص کرتے ہیں فضاؤں میں بہشتی نغمے
نیکیاں جھومتی ہیں گاتی ہیں لہراتی ہیں
سیلِ الطافِ خدائے دو جہاں[1] آپہونچا

نور برساتا ہوا ماہِ صیام آپہونچا

یہ تراویح کے یہ ذکر و تلاوت کے مزے
یہ عبادات و ریاضات بصد شوق و شعور
قابلِ دید ہے شہرِ دل و جاں کا منظر
رات ہے کیف میں ڈوبی ہوئی دن غرقِ نور
روح تھی جس کی طلب گار، وہ جام آپہونچا

جادۂ زیست پہ رحمت کی گھٹا چھائی ہے

ماہِ ممدوحِ رسولِ عربی[2] "شہرِ خدا"[3]
لے کے آیا ہے سکونِ دل و جاں کا ساماں
زندگی بندگیٔ رب میں بسر ہوتی ہے
اللہ اللہ کرم ماہِ نزولِ رمضاں
خیر و تقویٰ کے گلستاں پہ بہار آئی ہے

---

[1] یعنی دونوں جہاں کے خدا کے الطاف (مہربانیوں) کا سیلاب۔ [2] وہ مہینہ جس کی رسولِ عربیؐ نے مدح فرمائی ہے۔ [3] خدا کا مہینہ شہر عربی میں مہینہ کو کہتے ہیں

آپ نے سنا ہوگا کہ رمضان میں اللہ تعالیٰ ہر نیکی کا ثواب بہت بڑھا چڑھا کر دیتا ہے یہی حال گناہوں کا بھی ہے۔ یوں تو اللہ تعالیٰ نے سب قسم کے گناہ سب زمانوں میں حرام فرمائے ہیں لیکن رمضان المبارک میں حرمت زیادہ بڑھ جاتی ہے اس لئے تاکید کی گئی ہے کہ اس زمانے میں بندہ خاص طور پر اپنے حال پر نظر رکھے اور کسی طرح بھی اپنے آپ کو گناہوں کی گندگیوں سے آلودہ نہ ہونے دے۔ بہت سے گناہ تو ایسے ہیں جنہیں عام طور پر لوگ بڑے گناہ سمجھتے ہیں اس لئے ان میں کسی کا مبتلا ہونا تو ذرا مشکل ہوتا ہے لیکن کچھ ایسے گناہ ہیں جو اپنی اصل کے اعتبار سے تو بڑے ہی ہیں لیکن عام طور پر لوگ ایسا نہیں سمجھتے۔ اس لئے ایسے گناہوں میں پھنس جانے کا بہت زیادہ اندیشہ رہتا ہے۔ ایک بندۂ مومن کو ان پر خاص نظر رکھنا چاہیئے۔ مثلاً ایک گناہ نظر کا گناہ ہے، لوگوں نے اس کو بہت ہلکا سمجھ لیا ہے۔ اور کم ہی لوگ اس کی طرف دھیان دیتے ہیں جسے چاہا گھور لیا، جسے چاہا تاک لیا۔ جہاں کوئی خوبصورت چہرہ سامنے آیا نظر بھر کر بار بار دیکھنا شروع کر دیا اور پھر رنگین اور خوش نما تصویریں اور فوٹو جو آج کل ہر دیوار اور کمرہ کی زینت بنے ہوئے ہیں سینما کے اشتہارات جو خواہ مخواہ اپنی طرف کھینچتے ہیں نہایت حسین وجمیل چہرے جو رسالوں اور اخباروں کی رونق

بڑھاتے ہیں ان پر تو اچھے اچھوں کی نظریں جم کر رہ جاتی ہیں اور خیال بھی نہیں آتا کہ غض بصر یعنی نگاہوں کو ایسی چیزوں سے بچانے کا جو حکم دیا گیا ہے اس طرح اُس حکم کی خلاف ورزی ہو رہی ہے۔ رمضان المبارک میں اس طرف خاص توجہ کی ضرورت ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ روزہ کی مشقت بھی جھیلتے رہیں اور روزہ کا اجر غیر محسوس طریقہ پر ضائع ہوتا رہے۔ اگر شعور کے ساتھ اس مہینے میں گناہوں سے بچنے کی کوشش کی تو اُمید رکھنا چاہیئے کہ آئندہ بھی یہ بات دھیان میں رہے گی اور زندگی پہلے کے مقابلہ میں ضرور کچھ نہ کچھ سُدھر جائے گی۔

دوسرا گناہ غیبت ہے۔ سب جانتے ہیں کہ یہ بہت شدید گناہ ہے، لیکن سوسائٹی کا کچھ چلن ایسا ہے کہ لوگ اس گناہ سے بہت ہی کم بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اچھے اچھوں کی صحبت میں غیبت کا بازار گرم رہتا ہے اور یہ محسوس بھی نہیں ہوتا کہ ان لوگوں نے غیبت سے بچنے کا کچھ بھی اہتمام کیا ہے۔ رمضان کے زمانہ میں بالخصوص گھریلو صحبتوں میں اس کا رواج بڑھ جاتا ہے۔ کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے لوگ وقت کاٹنے کے لئے پہلے تو ادھر ادھر کی باتیں شروع کرتے ہیں لیکن تھوڑی ہی دیر میں کوئی شخصیت ان کی گفتگو کا موضوع بن جاتی ہے۔ اب جو اُس کے عیبوں کا تذکرہ چھڑ جاتا ہے تو یہ خیال بھی نہیں رہتا کہ یہ ہم کیا کر رہے ہیں۔ اور ہم تو روزہ سے ہیں۔ اس بارے میں جب تک پوری قوت کے ساتھ زبان کی احتیاط کا خیال نہیں رکھا جائے گا کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ کوشش دونوں طرف سے ہونا چاہیئے یعنی کہنے والا بھی خیال رکھے کہ اس کی گفتگو غیبت کی حد میں داخل نہ ہونے پائے اور سننے والے بھی دھیان رکھیں کہ یہ بات غیبت کی تعریف میں نہ آجائے۔ ایسے موقع پر بے جھجک اور بے تامل روک دینا ہی مناسب ہے بس اس بات کا دھیان رہے کہ آپ کسی بُرے انداز سے نہ ٹوکیں۔ بلکہ مناسب طریقہ پر متوجہ کر دیں۔

حرام اور ناجائز مال کھانا سبھی لوگ گناہ سمجھتے ہیں لیکن عملی زندگی میں بہت ہی کم لوگ اپنی روزی کے بارے میں اس کا خیال رکھتے ہیں کہ ان کی کمائی حلال ہے یا حرام؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص کے سامنے بس روزی کمانا مقصود ہے۔ کس طرح کمائے؟ اس پر کم ہی لوگ سوچتے ہیں — رشوت لینے والے رشوت لیتے رہتے ہیں۔ لین دین میں بے ایمانی کرنے والے بے ایمانی کرتے

رہتے ہیں۔ جھوٹ بول کر اور جھوٹے اندراجات کر کے پیسہ بچانے والے پیسہ بچاتے رہتے ہیں۔ سُود کا لین دین ہوتا رہتا ہے۔ رہن رکھے ہوئے مکانوں سے کرایہ کی شکل میں یا خود رہنے کی شکل میں فائدہ اٹھایا جاتا رہتا ہے۔ خرید و فروخت کے لئے اسلامی شریعت نے جو پابندیاں لگادی ہیں ان کا خیال کئے بغیر کاروبار ہوتے رہتے ہیں۔ غرض یہ کہ معاملات کی درستی، دیانت اور ایمان داری کے تقاضوں کو پورا کرنے کی طرف بہت ہی کم دھیان دیا جاتا ہے۔ حالانکہ سب جانتے ہیں کہ اس طرح جو دوسروں کی حق تلفی کی جاتی ہے یہ ایک ناقابلِ معافی گناہ ہے۔ ایسے گناہوں کے بدلے انسان کو قیامت میں نیکیوں سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ یہاں تک کہ یہ نوبت بھی آجائیگی کہ دوسروں کے گناہ اس پر لاد دیئے جائیں۔ رمضان کا مبارک مہینہ آتا ہے لیکن یہاں کسی کو یہ خیال نہیں آتا کہ اس مہینہ میں اگر حلال روزی نہ کمائی اور حرام آمدنی سے پیٹ کی حفاظت نہ کی تو روزہ کا اجر ہی کیا ملے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تو ارشاد یہ ہے کہ "جو جسم حرام کمائی سے پلے گا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔" آپ روزے اسی لئے تو رکھ رہے ہیں کہ اللہ آپ سے خوش ہو، اور آپ کو اس ہمیشہ رہنے والی زندگی میں اس کی تیار کی ہوئی جنت میں رہنے کا استحقاق حاصل ہو جائے۔ پھر ایک طرف تو یہ خواہش اور دوسری طرف یہ عمل — آخر ان میں آپ ہی بتایئے کیا جوڑ ہے؟ اللہ کے بندو! تم اللہ کے حکم کی تعمیل میں صبح سے شام تک اس رزق کو تو کھانے سے بچے رہے جو اصلاً حلال تھا لیکن تمہیں یہ خیال نہیں آتا کہ جب تم روزہ کھولتے ہو تو وہ نوالے حلق سے نیچے اتارتے ہو جن کا کھانا اسی خدا نے حرام کیا ہے جس کے لئے تم نے روزہ رکھا ہے — کون سا انسان ایسا ہوگا جس کے دل میں ذرا سا بھی ایمان ہو اور جو خدا کے حضور کھڑے ہونے کا ڈر بھی رکھتا ہو اور پھر بھی وہ حرام اور ناجائز کمائی سے بچنے کی کوشش نہ کرے؟ کچھ لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ صاحب آج کل تو بغیر بے ایمانی کے کوئی کام چلتا ہی نہیں، اسی طرح جائز اور ناجائز کے چکر میں اگر پڑ جائیں تو سارے دھندے ہی چھوڑ بیٹھیں، پھر گذر کیسے ہوگی؟ اور کھائیں گے کیا؟ یہ نفس اور شیطان کا بڑا دھوکا ہے۔ اب بھی حلال روزی حاصل کرنے کی بے شمار صورتیں موجود ہیں، بشرطیکہ آپ کچھ مشقت اٹھانے اور کچھ کم پر راضی ہو جانے کے لئے تیار ہو جائیں۔ ہوتا یہ ہے کہ اگر

کوئی شخص ناجائز طریقوں کو اپنا کر تھوڑی سی محنت کرنے کے بعد ہزاروں، لاکھوں کما رہا ہے اور آپ اس کے سامنے حلال حرام کی بحث چھیڑ دیں تو وہ فوراً کہے گا کہ صاحب! کس بدنصیب کو اس حرام کمائی پر اصرار ہے؟ ہم توکل کا چھوڑتے آج ہی چھوڑ دیں لیکن کوئی حلال دھندا سامنے بھی تو ہو۔ یہ بات کہہ کر گویا وہ اس بات کو شرط کے طور پر رکھتا ہے کہ مجھے نہ تو محنت زیادہ کرنا پڑے اور نہ میری آمدنی میں کمی آئے۔ ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کو کبھی حلال روزی نصیب نہ ہوگی۔ وہ ہوس اور لالچ کا شکار ہو کر حرام لقموں سے ہی اپنا پیٹ بھرتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو کوئی تقویٰ کی راہ اختیار کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ناخوشی سے بچنے کے لئے اس کے عذاب سے ڈرتے ہوئے نیکی کی راہ پر چلنے کا فیصلہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کے لئے گناہ سے بچنے کی بہت سی راہیں کھول دیتا ہے اور اُسے ایسے ایسے طریقوں سے روزی پہنچاتا ہے جو اُس کے وہم و گمان میں بھی نہ ہو لیکن یہ عنایات انہی پر ہوتی ہیں جو اللہ تعالیٰ کو رازق سمجھتے ہوئے بلا کسی شک کے اس کی فرمانبرداری اور اطاعت کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ جن لوگوں کی زندگیوں میں اس قسم کی کچھ کوتاہیاں انہیں اپنے بارے میں کچھ نئے فیصلے کرنے اور اپنی روزی کو حرام سے پاک کرنے کے لئے نئے منصوبے بنانے کے واسطے رمضان المبارک ایک بہترین موقع ہے۔ ہمت اور کوشش شرط ہے۔ رزق اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے پھر اصل مسئلہ تو یہ ہے بھی نہیں کہ بندے کو اس دنیا میں کیا اور کتنا ملتا ہے۔ اصل سوال تو اس ہمیشہ رہنے والی زندگی کا ہے۔

روزے کی برکات کا ذکر ہمارے سامنے بار بار آتا ہے۔ ہمیں بتایا جاتا ہے کہ روزے سے روح میں تازگی اور بلندی پیدا ہوتی ہے۔ خواہشاتِ نفس مغلوب ہو جاتی ہیں اور انسان کے اندر تقویٰ اور صبر کی صفات پیدا ہوتی ہیں۔ بہت سی خرابیوں سے انسان بچ جاتا ہے اور اس کے اندر ایک مضبوط قوتِ ارادی پیدا ہو جاتی ہے جس سے کام لے کر وہ نیکیوں کی طرف آسانی سے قدم بڑھا لیتا ہے، اللہ سے تعلق بڑھ جاتا ہے اور اس کی اطاعت و فرماں برداری کا احساس قوی ہو جاتا ہے لیکن روزے کی یہ برکات اسی وقت ظاہر ہوتی ہیں جب آدمی اپنے روزے کو ان آفتوں سے محفوظ رکھ سکے جو روزے کو خراب کرنے والی ہیں۔ یہ آفتیں بہت سی ہیں۔ ہم چند بڑی بڑی آفتوں کا ذکر اور ان سے محفوظ رہنے کے طریقے آپ کے سامنے رکھنا چاہتے ہیں انہی کی روشنی میں آپ دوسری آفتوں کے بارے میں بھی کچھ مفید باتیں سوچ سکتے ہیں۔

زبان کی لذت اور چٹخارے

روزے کی عبادت کا ایک بڑا مقصد یہ ہے کہ آدمی کو اپنی خواہشات پر قابو پانے کی مشق کرائی جائے لیکن یہ مقصد اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے جب آدمی اسے اپنے پیش نظر رکھے اور اپنی ان خواہشات اور لذتوں کو جہاں تک ہو سکے دبائے

جن کا وہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں عادی ہو لیکن آپ یہاں دیکھیں تو معاملہ اُلٹا ہے۔ بہت کم لوگ اس مقصد کو پیش نظر رکھتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ روزے کا مہینہ خاص کھانے پینے کا مہینہ ہے معلوم نہیں کس طرح کہنے والے تو یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ اس مہینہ میں کھانے پینے پر جتنا بھی خرچ کیا جائے خدا کے یہاں اس کا کوئی حساب نہیں ہوگا۔ ان خیالات کا نتیجہ یہ ہے کہ کھاتے پیتے لوگوں کے یہاں تو رمضان کا مہینہ گویا کام و دہن کی لذتوں کا مہینہ ہوتا ہے۔ ان کے دسترخوان پر گویا بہار کا موسم آجاتا ہے۔ طرح طرح کی مزے دار چیزیں، چٹ پٹے اور پر تکلف کھانے، پھل، مشروبات، غرض یہ کہ ہر وہ چیز جس کی طرف کوئی ادنیٰ خواہش بھی ہو دسترخوان پر مہیا کی جاتی ہے، روزے کی وجہ سے بھوک اور پیاس تو لگتی ہی ہے بجائے اس کے کہ اس بھوک اور پیاس کی وجہ سے نفس کُشی کی مشق کی جاتی ہے ایک طرح سے نفس پروری کا ذریعہ بنا لیا جاتا ہے۔ صبح سے شام تک قسم قسم کے کھانوں اور پکوانوں کے پروگرام بنائے جاتے ہیں، اور خواتین کا تو بہت سا وقت ان کی تیاری پر لگ جاتا ہے اور پھر افطار سے لے کر سحری تک زبان اور پیٹ کی وہ تواضع ہوتی ہے کہ اکثر تو قوتِ ہاضمہ جواب دے جاتی ہے لیکن چونکہ اگلے روز کا روزہ اس بے احتیاطی کا ایک فطری علاج ثابت ہوتا ہے اس لئے کھانے پکانے کے پروگرام کم ہی ہوتے ہیں۔ روزے کی کیفیات کو برباد کرنے والی یہ ایک بہت بڑی آفت ہے۔ اس آفت کی تباہ کاری کا اگر چہ آپ کو احساس ہو جائے جس سے روزے سے ملنے والا اجر برباد ہو جاتا ہے تو یقیناً آپ کچھ سوچنے پر مجبور ہوں گے، یہاں آپ کی قوتِ ارادی کا امتحان ہے۔ بلاشبہ جائز حدود کے اندر اپنی حیثیت اور وسعت کے مطابق آپ کو اپنے کھانے اور پینے کا اہتمام کرنے کا حق ہے۔ اس کے لئے اتنا کافی ہے کہ آپ اپنی قوتِ کار کو باقی رکھنے اور روزوں کی مشقت برداشت کرنے اور جسمانی صحت اور طاقت کو بحال رکھنے کے لئے ضرور کھائیے پیجئے، لیکن خدارا کھانے پینے کو زندگی کا موضوع نہ بنا لیجئے گا۔ ایک دو قسم کا سادہ اور صحت بخش کھانا بہت کافی ہے محض لذتوں کی خاطر قسم قسم کی چاٹ اور طرح طرح کے کھانے تیار کرانے کی آفت اپنے سر نہ لیجئے۔ توجہ اس بات پر رکھیئے کہ کھانے پکانے پر کم سے کم وقت صرف ہو۔ رمضان کے قیمتی گھنٹے ذکر و تلاوت اور

عبادت کے گھنٹے ہیں، ان کو دوسرے کاموں میں بس ضرورت کی حد تک ہی خرچ کیجئے اور بغیر کسی خاص اہتمام کے جو کچھ میسّر آجائے اسے صبر اور شکر کے ساتھ کھا لیجئے۔ رہے وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے فراغت اور خوش حالی عطا فرمائی ہے تو انہیں چاہیے کہ وہ خود اپنے کھانے پینے پر فضول مصارف کرنے کے بجائے غریب اور مسکین روزے داروں کے کھانے پینے پر صرف کریں، اپنی حیثیت کے مطابق مسکینوں کو کھانا کھلانے، خاص طور پر رمضان کے مہینے میں ان کی تواضع اور مدارات کرنے میں بھی ایک روحانی لذّت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے دِنوں میں بہت زیادہ فیّاض اور سخی ہوجاتے تھے۔ پھر روزہ افطار کرانے کے ثواب کا ذِکر تو آپ کے سامنے بار بار آتا ہی ہے۔ یہ سب اسی لئے تو ہے کہ آپ اس کی طرف توجہ کریں اور اپنے لئے اجر و ثواب حاصل کرنے کی صورتیں پیدا کریں۔

غصّہ اور جھنجھلاہٹ

یہ تو ایک عام بات ہے کہ اگر آدمی بھوکا پیاسا ہو تو اس کا غصہ بڑھ جاتا ہے۔ ذرا سی بھی خلافِ مزاج بات گوارا نہیں ہوتی۔ روزے کے مقاصد میں یہ بات شامل ہے کہ انسان کے مزاج کے اشتعال اور جھنجھلاہٹ کو کم کیا جائے اور اسے ایک معتدل مزاج انسان بنایا جائے۔ طبیعتوں کی یہ اصلاح اسی صورت میں ممکن ہے جب آدمی اپنے ارادے سے روزے کو اس خرابی کی اصلاح کا ذریعہ بنائے۔ اگر وہ ارادہ ایسا نہ کرے گا تو اس بات کا بھی ڈر ہے کہ روزہ اس پہلو سے مفید ہونے کے بجائے اُلٹا مضر ہوجائے۔ یعنی روزہ کی حالت میں جھنجھلاہٹ اور غصہ زیادہ ہوجائے۔ اِس مقصد کے لئے انسان کو ہر وقت چوکنّا رہنا پڑے گا۔ جب بھی طبیعت میں کوئی اشتعال پیدا ہو یا کوئی دوسرا اشتعال پیدا کرانے کی کوشش کرے تو وہ فوراً یہ بات یاد کرلے کہ میں روزے سے ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث میں اسی تدبیر کی طرف ایک اشارہ ملتا ہے۔ ارشاد ہے کہ اگر روزے دار سے کوئی شخص جھگڑا کرے یا اسے اشتعال دلانے کی کوشش کرے تو اسے یہ کہہ کر بات ٹال دینا چاہیئے کہ بھائی میں روزے سے ہوں۔ اس تدبیر پر عمل کرنا آسان نہیں ہے۔ اِس کے لئے مشق کی ضرورت ہے اور آہستہ آہستہ اس تربیت کے ذریعہ مزاج کو بدلنے کی کوشش کرنا پڑے گی، غصہ پہ قابو پانا ایک بڑی خوبی ہے اور یہ خوبی روزے سے حاصل

کی جاسکتی ہے۔

لیکن بہت سے لوگ روزے سے یہ فائدہ اُٹھانے کے بجائے روزے کو اپنے غصّہ اور جھنجھلاہٹ کے لئے عذر کے طور پر پیش کرتے ہیں یہ ایک اور بڑی آفت ہے جو روزوں کو برباد کرتی ہے، ایسے لوگوں کے لئے روزہ ضبطِ نفس کے بجائے اشتعالِ نفس کا بہانہ بن جاتا ہے اور لوگ بیوی پر، بچوں پر، نوکروں پر، ماتحتوں پر ذرا ذرا سی بات میں برس پڑتے ہیں بیہودہ الفاظ زبان سے نکالنے لگتے ہیں اور مقابل کمزور ہو تو بے جھجک مار بیٹھتے ہیں اور اپنی ان حرکات پر نادم ہونے کے بدلے اپنے کو اس خیال سے تسلی دے لیتے ہیں کہ کیا کریں روزے میں ایسا ہو ہی جاتا ہے۔ کمبخت ذرا خیال نہیں کرتے کہ روزے میں تو غصہ دلانے والی باتیں نہ کیا کریں۔

اگر خدا نخواستہ مزاج کی کیفیت کچھ ایسی بن رہی ہو اور غصہ پر قابو پانا مشکل ہو رہا ہو تو یہ بڑی تشویش کی بات ہے۔ روزہ تو برباد ہوتا ہی ہے نفس کی اصلاح ہونے کے بجائے کچھ اور بگاڑ ہو جاتا ہے۔ اگر آپ روزے کی برکتوں سے فائدہ اُٹھانا چاہتے ہیں تو آپ اپنے نفس کے لئے روزے کو ایک لگام کے طور پر استعمال کریں۔ اگر آپ مزاجاً غصہ ناک ہیں اور آپ میں بات کے برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہے تو آپ ارادہ کریں کہ آپ روزے کو اس کمزوری کے دور کرنے کا ذریعہ بنائیں اور اس کی تدبیر یہی ہے کہ آپ ایک لمحہ کے لئے بھی یہ نہ بھولیں کہ آپ روزے سے ہیں اور آپ کو روزے کا احترام کرنا ہے۔ تجربہ گواہ ہے کہ اگر روزے کے احترام کا یہ احساس طبیعت پر غالب رہے تو آدمی بڑی سے بڑی ناگوار بات بھی برداشت کر جاتا ہے اور اس پر کوئی احساس کمتری طاری نہیں ہوتا بلکہ ایک طرح کا اطمینان محسوس ہوتا ہے کہ آج میں نے شیطان کو نیچا کر دکھایا اور اس فتح کا احساس اس کے لئے راحت و اطمینان کا سبب بنتا ہے۔

یہ ایک بہت عملی اور کثرت سے پیش آنے والی بات ہے۔ بہت کم لوگ ایسے ملیں گے جو روزے کی حالت میں اس پریشانی سے دوچار نہ ہو جاتے ہوں۔ کوشش کیجئے کہ آپ کی طبیعت کا اشتعال آپ کے قابو میں رہے اور آپ نفس کے مقابلہ میں فتح حاصل کر سکیں۔ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ سے مدد چاہنا اور اپنے آپ کو اس کی

پناہ میں دے دینا بھی بہت ضروری ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَاِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ (الاعراف ۲۰۰)

"اگر کبھی شیطان تمہیں اُکسائے تو اللہ کی پناہ مانگو، وہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔"

دِل بہلانا

روزے کو برباد کرنے والی ایک اور عام آفت دل بہلانے والی چیزوں سے رغبت بھی ہے۔ اگر ذہن کی تربیت اچھی طرح نہیں ہوئی تو لوگ کھانے پینے اور زندگی کی بعض دوسری دل چسپیوں سے علیحدگی کو ایک محرومی سمجھتے ہیں اور جب احساس محرومی ہوجائے تو ان کے لئے وقت کاٹنا مشکل ہوجاتا ہے، اس مشکل کا حل وہ یہ پیدا کرتے ہیں کہ بعض ایسی دل چسپیاں تلاش کرلیتے ہیں جن سے اُن کے خیال میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔ بہت سے لوگ تاش کھیلنے بیٹھ جاتے ہیں یا اور اسی طرح کے اِنڈور گیمس سے دل بہلاتے ہیں، کبھی ناول، ڈرامے اور افسانے پڑھتے ہیں۔ ریڈیو پر گانے سنتے ہیں اور کچھ نہیں تو دوستوں میں بیٹھ کر گپیں ہانکتے ہیں اور ایسے مَن چلے بھی ہیں جو سینما کا شو دیکھ آنے میں بھی کوئی قباحت محسوس نہیں کرتے۔ ان مشغلوں میں گپیں ہانکنے والا مشغلہ غیبت کا رنگ اختیار کرلیتا ہے اور پھر تو لوگ روزے کی بھوک میں اپنے بھائی کے گوشت سے خوب لذّت لیتے ہیں۔ جھوٹ، غیبت، ہجو اور جھگڑا، یہ ساری آفتیں ایک ساتھ جمع ہوجاتی ہیں اور زبان کے ذریعہ جو گناہ ہوسکتے ہیں اس میں بُری طرح گرفتار ہوجاتے ہیں۔ صبح سے شام ہوجاتی ہے اور لوگ ان مشغلوں میں وقت کاٹتے رہتے ہیں۔ یہ ایسی آفات ہیں جو روزے کو بالکل برباد کرکے رکھ دیتی ہیں۔ ایسے تمام مشغلوں کی قباحت آپ کو اچھی طرح محسوس کرنا چاہیے۔ روزے کی مشقتیں اٹھانے کے باوجود اگر اس کے اجر سے محرومی رہے تو اس سے بڑی بدنصیبی اور کیا ہوگی۔

اوپر جن آفات سے بچنے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ان سے بچنے کی ایک اہم تدبیر تو یہ ہے کہ آپ خاموشی کو روزے کے ضروری آداب میں سے سمجھیں۔ شاید آپ نے سنا ہوگا کہ بعض اُمتوں میں چپ رہنا روزے کی شرائط میں داخل تھا۔ حضرت مریم علیہا السلام کے ایسے ہی ایک روزے

کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے جب انہوں نے اشاروں سے اپنی قوم کے لوگوں کو یہ بتایا تھا کہ میں اس وقت روزہ سے ہوں کسی سے بات نہیں کروں گی ـ

اسلام نے روزہ داروں پر یہ پابندی تو عائد نہیں کی ہے کہ وہ روزہ میں بات نہ کریں لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ آدمی روزے میں اپنی زبان کو چھوٹ دے دے اور بلاوجہ فضول باتیں کرتا رہے۔ روزہ میں اس بات کی مشق کرنا چاہیئے کہ صرف ضروری اور مفید باتیں زبان سے نکالی جائیں ورنہ خاموش رہا جائے۔ جو شخص ہر قسم کی اناپ شناپ اور جھوٹی سچی باتیں زبان سے نکالتا رہے اس کے بارے میں حدیث شریف میں آتا ہے کہ اس کا محض کھانا پینا چھوڑ دینا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک بے نتیجہ کام ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:۔ جو شخص جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو اس بات کی کوئی ضرورت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔"

اس آفت سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی کا جو وقت گھر کے کام کاج اور معاش کی مصروفیات سے فاضل بچے اس کو مفید مطالعہ میں صرف کریں۔ روزے کے دنوں میں قرآن شریف، حدیث شریف، سیرتِ نبوی، سیرت صحابہؓ اور دوسری دینی کتابوں کے مطالعہ کا ایک باقاعدہ پروگرام بنا لینا چاہیئے، اگر ذوق کی تربیت ہو جائے تو یہی مطالعہ دل بہلانے کا بہترین ذریعہ ثابت ہو سکتا ہے۔

اروناچل کو پہلے نیفا کہتے تھے

مگر نام کچھ بھی ہو ۔۔۔ اروناچل ہے دیکھنے کی جگہ ۔۔۔ حدِ نظر تک پھیلے ہوئے پہاڑوں کے سلسلے، اُن پر گھنے جنگل، پہاڑوں کے درّوں سے بہتے ہوئے طوفانی دریا، ان دریاؤں کے پہلو سے پہاڑی پگڈنڈیوں پر دوڑتی سڑکیں ۔۔۔ یہ سب جنتِ نگاہ ہے۔

وہاں لوگ بھی بہت اچھے ہیں ۔ سیدھے سادھے محبت کرنے والے اور بھروسے کے قابل اور وہاں بچے ۔۔۔ پہاڑی گلاب جیسے ہیں، چمکتے ہوئے چہرے، گلابی گلابی گال ۔۔۔ خصوصیت سے مومپا بچے بڑے صحت مند اور خوبصورت ہیں۔ ناکٹے لوگ کانوں میں بالے پہنے رہتے ہیں اور چاندی کے کنگن سر میں لگائے مشمی عورتیں بھگیوں میں پانی لاتی رہتی ہیں ۔۔۔ واقعہ یہ ہے کہ یہاں کی قبائلی زندگی پر ابھی باہر کی تہذیب کے اثرات نہیں پڑے ہیں۔

چاہے تراب کی گھاٹی کے ننگے لوگ ہوں جو صرف زیورات پہنے رہتے ہیں یا ناکٹے قبیلے کے سکول جانے والے بچے یا کھمپتی قبیلے کا فارسٹ گارڈ ۔۔۔ وہ سب کے سب ابھی اپنی قبائلی خصوصیات برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ یہاں چنگیانگ میں ایک اسکول ہے جو ایک نیچے سے چھپر میں ہے۔

اروناچل کی راجدھانی آتانگر (ITANAGAR) ہے۔ یہ ایک نیا شہر ہے، اور اسے عارضی طور پر راجدھانی قرار دیا گیا ہے مگر اروناچل کی روح یہاں بھی کارفرما نظر آتی ہے۔ آتانگر کے لیے ۱۹۷۳ء میں جنگلات صاف کیے گئے تھے۔ یہ جنگل ہاتھیوں کے محبوب ٹھکانے تھے۔ مئی ۱۹۷۴ء میں یہاں سرکاری دفاتر آنے لگے۔ اسی سال جولائی میں یہاں کا سنٹرل اسکول چالو ہو گیا۔

اگست میں یہاں کا اسٹیٹ بنک مکمل گیا۔

یہ شہر نیا سہی مگر اپنے فطری ماحول سے ہم آہنگ ہے۔ لوگ عام طور پر بدھ ہیں۔

یہاں اسمبلی چیمبر بھی ہے اور بال کاٹنے کی ایک دکان بھی۔

پہلے رسل و رسائل بہت مشکل تھے۔ ضلعوں سے ڈاک آنے میں دس دس دن لگ جاتے تھے، اب ایک دن سے زیادہ نہیں لگتا۔ جلد ہی وسائل جٹالئے جائیں گے اُس وقت ضلع کے ہیڈ کوارٹروں سے ایک گھنٹے میں ربط قائم ہوجایا کرے گا۔

لوگوں کی آمد و رفت اب بھی مشکل ہے۔

یہاں گاؤں بھی تو دور دور ہیں، آبادی بہت کم ہے مگر اب ذرائع آمد و رفت اور کھیتی کے سدھار پر بہت دھیان دیا جارہا ہے۔ سرحدی سڑکوں کی تنظیم اور عوام بھی سڑکوں کو بہتر بنانے پر کام کر رہے ہیں۔ کرنل رلجا نے اروناچل کے عوام کے تعاون سے سڑکوں کی تعمیر کا کام شروع کیا تھا۔ وہ اس وقت اروناچل کے گورنر ہیں۔ تبھی سے یہ رسم پڑ گئی ہے کہ سڑکوں کے بنانے میں اروناچل کے عوام سرکاری حکام کی بہت مدد کرتے ہیں۔ وہ سڑک جو پی ڈبلوڈی والے ۹ برس میں پوری نہ کر سکے عوام کی مدد سے ۴ مہینے میں پوری ہوگئی۔ یہ سڑک کل ۱۷ میل لمبی تھی۔ اب جو سڑک بنتی ہے تو مقامی ایم ایل اے، سماجی کارکن اور عوام سب مل کر کام کرتے ہیں اس لئے یہاں کی سڑکوں کو عوامی سڑکیں کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔

بام ڈیلا (BOMDILA) کامنگ ضلع کا صدر مقام ہے۔ وہاں سے انانگر اور تیزو ادہت اور کھونسا کا راستہ نقشہ پر دیکھئے تو سیدھا سادھا سا معلوم ہوتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ سب راہیں ایک ایک دن کی جیپ کی راہیں ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ راستہ پہاڑی ہے، سانپ کی طرح لہراتا ہوا — پہاڑی راہوں سے میدانوں میں اترنے میں کافی دقت رہتی ہے۔ اکثر راہیں برہمپتر ندی کے کنارے کنارے آتی ہیں۔ اب سڑکوں کی حالت بہتر ہو رہی ہے۔ لیکن شمال سے جنوب کی طرف بہنے والی ندیوں کی وجہ سے سڑک بنانا دیر اور خرچ کا کام ہے۔

زراعتی اصلاحات کی رفتار تیز ہے۔

کسانوں کو حکومت فراخ دلی سے امداد دے رہی ہے۔ عمدہ بیج، سینچائی کی سہولتوں اور کھاد کی فراہمی کے سبب اُمید ہے کہ ۱۹۷۸ء تک اروناچل میں اچھی مقدار میں عمدہ چاول پیدا ہونے لگے گا۔ تفراگانگ کا بجلی کا منصوبہ بھی اس وقت تک پورا ہوجائے گا اور وہ ۲۵۰ کلوواٹ بجلی دے گا۔ پانچ

سال پہلے تک وہاں بجلی کا کوئی منصوبہ نہ تھا۔ آج بومڈیلا، آلانگ اور زیرو۔ ضلع کے صدر مقاموں میں بجلی چوبیس گھنٹے موجود رہتی ہے۔ ویسے اپنی تیز بہنے والی پہاڑی ندیوں کے سبب اروناچل بجلی کا خزانہ ہے لیکن ابھی سیلاب روکنے کی اسکیمیں پوری نہیں ہو سکی ہیں۔

مگر اس کے باوجود وہاں مسئلہ بجلی کی سپلائی کا نہیں ہے۔ لوگ بجلی میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتے بلکہ وہاں الٹا حساب ہے، وہاں بجلی کی کھپت کا مسئلہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بنیادی طور پر اروناچل ایک کاشتکاری علاقہ ہے وہاں بڑی صنعتوں کا ابھی قیام نہیں ہوا ہے۔ صرف چھوٹی چھوٹی گھریلو صنعتیں چل رہی ہیں۔ وہاں چھوٹی چھوٹی صنعتوں کا بہت اسکوپ ہے۔ جنگلوں سے چیڑ کی پتیاں، جنگلی کیلے کے ریشے اور چپیڑا اور لاکھ وغیرہ کافی ملتا ہے۔

یہیں ٹاوانگ میں دنیا کی دوسری بڑی بدھ خانقاہ ہے۔

اب اروناچل کے لوگ صنعتوں میں دلچسپی لینے لگے ہیں اور اب کچھ آرا مشینیں اور لکڑی کی ٹالیں وجود میں آئی ہیں۔ زیادہ تر لوگ ٹھیکیداری میں دلچسپی لیتے ہیں۔ حکومت باہر کے لوگوں کی صنعت کاری کی اس لئے ہمت افزائی نہیں کرتی کہ کہیں باہر کے لوگ مقامی لوگوں کا استحصال شروع نہ کر دیں۔

بہر حال دھیرے دھیرے لوگ صنعتوں میں دلچسپی لینا شروع کر رہے ہیں۔ فوجیوں کی وجہ سے اب گاؤں گاؤں میں دوکانیں ہیں، کھانے کے ڈھابے ہیں اور ان سب پر خوب بکری ہوتی ہے۔

حال ہی میں وہاں تیل کے کنویں بھی نکلے ہیں۔

کاغذ کی صنعت کے امکانات پر بھی غور کیا جا رہا ہے۔ مقامی ہاتھ کرگھے کی صنعت خاصی ترقی کئے ہوئے ہے اور اس میں کمائی کے کافی مواقع ہیں۔ اروناچل کے لوگ شالیں، چولیاں اور دوسری چیزیں بہت اچھی بناتے ہیں۔

تعلیم ابھی بہت کم ہے۔ وزیر تعلیم ناکٹے قبیلے کے پہلے بی۔ اے ہیں۔ اب چانگ لنگ میں ایک ٹیچرس ٹریننگ کالج کھلا ہے۔ کودانگ میں ایک پیشہ ورانہ تعلیم کا مرکز ہے مگر تعلیم کا فیصد ابھی صرف پانچ ہے۔ نروتم نگر میں ایک راما کرشن مشن کا اسکول ہے۔ آلانگ میں بھی ایک اسکول ہے۔ کھونسا میں تبارا مشن اسکول ہے۔ یہ سارے اسکول اچھے ہیں، اور وہاں کے لوگ اپنے بچوں کو ان سکولوں میں بھیج رہے ہیں۔

مومن کا کردار

رؤف انجم

ہر تذکرۂ جبر سے بیزار ہے مومن
تاثیرِ کریمانہ کا شہکار ہے مومن

بجتا ہوا اک سازِ شریعت ہے جہاں میں
توحید کے ہر تار کی جھنکار ہے مومن

رہبر ہے ہر اک منزلِ اوہامِ خرد کا
تقدیر کے ہر موڑ پہ تیار ہے مومن

محبوب ہے ہر شے سے غبارِ درِ جاناں
ہر لطف و عنایت کا سزاوار ہے مومن

رخشندہ جبینوں پہ عبادت کے نشاں ہیں
قرآن کی آیات کا کردار ہے مومن

اسلام کی کشتی تو بھنور میں ہے ازل سے
ساحل ہے جو ایمان تو پتوار ہے مومن

تسکینِ دلی تذکرہ نیم شبی ہے
اک عشق ہے تنہائی ہے بیدار ہے مومن

ہے آج بھی مومن کی وہی شان انا الحق
منصورِ زمانہ ہے سرِ دار ہے مومن

کیا عشق کے دستور کا ماخذ ہے کوئی اور
گیسوئے رسالت کا گرفتار ہے مومن

کھلتا ہوا معصوم تبسم ہے لبوں پر
ہر کشمکشِ وقت سے دوچار ہے مومن

مہکائے تبسم نے کئی جورِ زمانہ
چندن کی طرح صاحبِ کردار ہے مومن

ہر قطرۂ خوں قطرۂ سیماب ہے انجم
اک بار مچل جائے تو دشوار ہے مومن

عوام میں ہپناٹزم کے سلسلے میں چند غلط خیالات مشہور ہیں۔ مثلاً یہ کہ ہپناٹزم سے دوسرے آدمی سے جو چاہیں کروایا جا سکتا ہے یا ہپناٹزم کتابوں کے ذریعہ سیکھا جا سکتا ہے۔ یہ خیالات کچھ تو فٹ پاتھ پر مداریوں کی شعبدہ بازی کی بدولت پیدا ہوئے ہیں اور کچھ ان اشتہار بازوں نے پیدا کئے ہیں جو ایسی کتابیں کورس کی شکل میں بیچ کر کاروبار چلاتے ہیں۔ بدقسمتی یہ ہے کہ اس قسم کے ادارے صرف ہمارے یہاں ہی موجود نہیں بلکہ یورپ اور امریکہ میں بھی یہ کاروبار خوب چلتا ہے کیوں کہ ابھی تک وہاں بھی عوام ہپناٹزم کے سلسلے میں غلط فہمیوں میں مبتلا ہیں۔ ان غلط فہمیوں کی وجہ چند ناول اور فلمیں ہیں، جو ہپناٹزم کی بنیاد پر لکھی اور بنائی گئیں۔ یہ کتابیں قطعی فرضی ہیں اور ہپناٹزم کو غلط طور پر پیش کرتی ہیں۔

میں اس مختصر مضمون میں سیر حاصل تبصرہ تو نہ کرسکوں گی مگر چند اہم نکات کو زیر بحث لانا چاہتی ہوں۔ مثلاً:

۱۔ ہپناٹزم ہے کیا؟
۲۔ کیا یہ علم صرف کتابوں سے حاصل کیا جا سکتا ہے؟
۳۔ کیا ہر شخص کو ہپناٹزم سیکھنا چاہیئے؟

ہپناٹزم ہے کیا

ہپناٹزم میں عمل تکرار کے ذریعے دوسرے آدمی کے شعور کو عارضی غنودگی میں مبتلا کرکے حالِ لاشعور پر اثر انداز ہوجاتا ہے۔

ہمارے ہر عمل کا ذمہ دار ہمارا دماغ ہے۔ یعنی ہم ایک معمولی سی حرکت بھی بغیر ذہن کے سوچے ہوئے نہیں کر سکتے۔ مثلاً اگر ہم اپنی ایک انگلی میں حرکت پیدا کریں گے تو سب سے پہلے ذہن یہ سوچے گا کہ حرکت کرنی ہے۔ اس کے بعد دماغ کا وہ خلیہ[1] جو اس مخصوص عصب (NERVE) کو کنٹرول کرتا ہوا اس کو حرکت میں لائے گا۔ اس طرح ہم اپنی انگلی کو حرکت دے سکیں گے۔ سوچنے اور حرکت کے درمیان اتنا کم وقفہ ہوتا ہے کہ ادھر سوچا ادھر حرکت ہو گئی۔ یعنی یہ ایک بجلی کی لہر کی طرح کام کرتا ہے۔ اکثر احباب نے کچھ لوگوں میں رعشے کا مرض دیکھا ہوگا۔ ان کی انگلیاں یا ہاتھ خود بخود حرکت کرتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر وہ کسی چیز کو اٹھانا چاہتے ہیں تو اکثر اپنے رعشے دار ہاتھ کو دوسرے ہاتھ سے قابو میں لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ دراصل یہ مرض اس وقت پیدا ہوتا ہے جب دماغ کا وہ خلیہ جو اعصاب کو قابو میں رکھتا ہے مفلوج ہو جائے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مریض ذہنی طور پر ہزار سوچے کہ اسے رعشہ نہ ہو مگر اس کے سوچنے کے باوجود حرکت پر قابو نہیں پا سکتا۔ چنانچہ یہ لازم ہے کہ ذہن کے سوچنے کے ساتھ دماغ کا ہر خلیہ صحت مند بھی ہو۔ اگر کوئی خلیہ خراب ہو جائے گا تو پھر ذہن کی سوچ اس میں وہ بجلی کی لہر نہیں دوڑا سکتی جس کے ذریعے حرکت پر قابو ہوا کرتا ہے۔

اب اس سوچنے کے عمل پر بھی غور کرنا ہوگا۔ ہمارے ذہن کے دو حصے ہیں۔ ایک شعور دوسرا لاشعور ہر حرکت کے لئے لازم ہے کہ ذہن کے یہ دونوں حصے ہم آہنگی سے کام کریں۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر ہماری حرکات عمل اور سوچنے سمجھنے کے انداز بھی بے قابو ہو جاتے ہیں۔ اگر شعور اور لاشعور کے درمیان رشتہ ٹوٹ جائے تو پھر شعور بے کار ہو کر رہ جاتا ہے۔ یاد رہے کہ لاشعور بے کار نہیں ہوتا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمارا لاشعوری حصہ شعوری حصے پر فوقیت رکھتا ہے یعنی اگر شعور اور لاشعور کے درمیان ٹکراؤ پیدا ہو جائے تو عموماً لاشعور شعور پر حاوی ہو جاتا ہے اور یہ صرف اسی وقت ہوتا ہے جب عضوی یا نفسیاتی خرابی کی وجہ سے شعور بے کار ہو جائے۔ اس طرح انسانی ذہن پر لاشعور کی حکومت ہو جاتی ہے اور انسان کی ہر حرکت لاشعور کے حکم سے ہوتی ہے۔ شعور اس کے سامنے بے بس ہو جاتا ہے۔ مثلاً انسان شدید غصے یا شدید محبت کے جذبے کے تحت شعور سے کسی حد

---

[1] CELL

تک بے گانا ہو جاتا ہے اور عارضی طور پر وہ لاشعور کے تابع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ غصے میں اگر وہ قتل کا مرتکب ہوتا ہے تو یہ قتل شعوری یا ارادی نہیں کہلائے گا بلکہ لاشعوری عمل کہلائے گا۔ جسے عام طور پر غیر ارادی بھی کہا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اشتعالی قتل اور قتل عمد کی سزا میں فرق ہے۔

شعور اور لاشعور کے درمیان ایک اور چیز ہوتی ہے جسے چوکیدار یا محتسب کہا جاتا ہے۔ انسان بنیادی طور پر حیوانی جبلتیں لے کر پروان چڑھتا ہے۔ ان حیوانی جبلتوں پر معاشرہ اخلاقیات کا بند باندھتا ہے تاکہ اس کی وہ حیوانی جبلتیں بے قابو ہو کر عمل پیرا نہ ہوں۔ لاشعور کی انہی جبلتوں کی روک تھام اس محتسب کا کام ہے۔ مثلاً ایک شخص لاشعوری خواہش سے مجبور ہو کر قتل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے مگر شعور اسے اس اقدام سے روکتا ہے۔ شعور اور لاشعور کا یہ الجھاؤ اسی محتسب کا مرہونِ منت ہے۔ اگر یہ محتسب سو جائے تو پھر لاشعور فوراً شعور کی اس مزاحمت پر قابو پا لیتا ہے جو اسے قتل کے اقدام سے روک رہی تھی اور وہ قتل کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ یعنی محتسب لاشعور کے درمیان ایک ایسا چوکیدار ہے جو اسے من مانی نہیں کرنے دیتا۔

اسی طرح لاشعور کی ہر ایسی خواہش جو اخلاقی اور سماجی تقاضوں کے خلاف ہو یہ چوکیدار لاشعور ہی میں دبائے رکھتا ہے اور کبھی کبھی ان تینوں میں باقاعدہ جنگ ہو جاتی ہے۔ یہ چوکیدار لاشعور کی شدید خواہش کا مقابلہ کرتے کرتے تھک جاتا ہے اور شعور اس چوکیدار کے بل بوتے پر کام کر رہا ہوتا ہے۔ وہ خود بھی لڑائی میں حصہ لیتا ہے لیکن جہاں چوکیدار تھکا، لاشعور نے بڑھ کر شعور پر قبضہ کر لیا اور آدمی پاگل ہو گیا۔

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ لاشعور صرف جنونی حرکات کا ہی نام ہے بلکہ یہ جنونی کیفیت دراصل اس جنگ کا نتیجہ ہوتی ہے یہ ایک مسلسل جنگ ہوتی ہے۔ ہسٹریائی کیفیت میں ہم اس جنگ کا محاذ بخوبی دیکھ سکتے ہیں۔ لاشعور میں جنسی خواہشات کا ایک شدید طوفان اٹھتا ہے۔ مگر اخلاقی تقاضے چوکیدار کو چوکنا رکھتے ہیں۔ وہ مسلسل لاشعور کو ڈانٹتا ڈپٹتا رہتا ہے۔ مریض بے قابو ہو کر چیخنا چلانا شروع کر دیتا ہے۔ لاشعور اپنی خواہش کو تکمیل تک پہنچانے کے لئے شعور پر بہت حد تک قابو پا لیتا ہے۔ مگر چوکیدار مسلسل جنگ کرتا ہے اس طرح لاشعور عملی طور پر جنسی تسکین حاصل نہیں

کرسکتا اور مریض کو ایک ایسی کیفیت میں مبتلا کردیتا ہے جو بڑی اذیت ناک ہوتی ہے۔ اسی حالتِ جنگ میں مریض پر ہلکی جنونی کیفیت طاری ہوجاتی ہے اور اس جنونی کیفیت میں مریض کا وہ جنسی دورہ تسکین پاتا ہے۔ عورتوں کی ہسٹریائی کیفیت میں عموماً انھیں رحم میں شدید دباؤ سا محسوس ہوتا ہے جسے عرفِ عام میں باؤگولا بھی کہتے ہیں۔ دراصل یہ دباؤ جنسی آسودگی حاصل کرنے کے لئے علامتی طور پر نمودار ہوتا ہے مگر شعوری طور پر مریض کو اپنی اس شدید جنسی خواہش کا قطعی احساس نہیں ہوتا۔ عام طور پر ہسٹریائی مریضہ بظاہر بہت ہی سکین اور پرہیزگار نظر آتی ہیں وہ اکثر اپنی اس لاشعوری خواہش کو دبانے کے لئے عبادت کی طرف مائل رہتی ہیں۔ اسے عام حالت میں دیکھ کر کوئی بھی یہ اندازہ نہیں کرسکتا کہ اس مریضہ کے اندر کیا لاوا ایک رہا ہے

ہپناٹزم اور اس کا اثر

جیسے میں پہلے عرض کر چکی ہوں کہ ہپناٹزم صرف سجیشن کا نام ہے۔ یہ نہ کوئی جادو ہے اور نہ ہی عامل کو سادھو یا جوگی بننا پڑتا ہے۔ نہ ہی اسے اپنے آپ میں مقناطیسی قوت پیدا کرنی پڑتی ہے عام طور پر اشتہار باز لکھتے ہیں کہ عامل کو مسلسل ریاضت کی ضرورت ہے۔ یہ ضرورت یا یوگ دراصل صرف مسلسل تکرار یا سجیشن کو موثر بنانے کا ایک ذریعہ ہوتی ہے۔ جو آدمی باقاعدہ ٹریننگ حاصل کر کے سجیشن کی پریکٹس کرے اور ساتھ ہی شعور اور لاشعور کا علم حاصل رکھتا ہو وہ ایک ہپناٹسٹ بن سکتا ہے۔

سجیشن کے ذریعے مریض کے شعور کو غنودگی میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ اس کے لئے یہ لازم ہے کہ مریض پہلے سے ہی اس عمل کے لئے تیار ہو۔ جو آدمی تیار نہ ہوگا اس پر عمل تقریباً ناممکن ہوا کرتا ہے۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ مریض شعوری طور پر آمادہ ہو ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ مریض کے ذہنی محتسب کا دھیان بٹا دیا جائے یا اسے اس حد تک مفلوج کردیا جائے کہ مریض عامل کے کہنے پر سو جائے اس لئے ایسے مریض جو شعوری طور پر تیار نہ بھی ہوں ایک ماہر ہپناٹسٹ انھیں تیار کر لیتا ہے مگر اس کے باوجود یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ہر شخص کو ہپناٹائز بھی نہیں کیا جاسکتا۔

مریض کے اعصابی تناؤ کو کم کر کے اس کے لئے ایک ایسا ماحول پیدا کیا جاتا ہے جس میں وہ خود کو پرسکون اور بے خوف محسوس کرتا ہے۔

اس کے بعد اسے مسلسل سجیشن دی جاتی ہے کہ تم سو رہے ہو۔ تمہارا جسم بالکل ڈھیلا اور پرسکون ہے۔ تمہاری آنکھیں تھک گئی ہیں۔ تم پر بڑی ہی پرکیف غنودگی طاری ہورہی ہے۔ اس طرح مسلسل تکرار سے مریض پر غنودگی چھانے لگتی ہے۔ اور وہ شعوری طور پر بے سدھ ہوجاتا ہے مگر لاشعور کی طرح وہ بالکل ہی بے سدھ نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی کسی مریض سے عالم غنودگی میں کوئی غیر اخلاقی عمل کروانے کی کوشش کی جاتی ہے تو چوکیدار فوراً چونک کر جاگ اٹھتا ہے اور ساتھ ہی شعور کو بھی جگا دیتا ہے

اب سوال یہ ہے کہ آدمی ہپناٹسٹ کی اس مسلسل تکرار یا سجیشن کو قبول کس طرح کر لیتا ہے یعنی وہ سرے سے غنودگی میں جاتا ہی کیوں ہے؟ کیا ہپناٹسٹ کے اندر کوئی ایسی قوت ہوتی ہے کہ مریض متاثر ہوجائے؟

حالیہ تحقیق سے پتہ چلا ہے کہ ہپناٹسٹ کے اوپر اعتماد ہی اس کی قوت ہوتی ہے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے آپ کو ایک آدمی ایک قصہ سنائے کہ جو بقول اس کے حقیقت ہوتی ہے۔ مگر آپ یقین نہیں کرتے۔ مگر جب وہی قصہ ایک دوسرا شخص انہی الفاظ میں آپ کو سناتا ہے تو اس پر آپ یقین کر لیتے ہیں۔ آخر ایسا کیوں؟ پہلے شخص میں وہ کون سی بات تھی جو آپ کو یقین نہ دلا سکی مگر اس بات پر دوسرے شخص کے کہنے پر آپ کو یقین ہوگیا۔ حالانکہ بات وہی تھی۔ الفاظ وہی تھے، زبان وہی تھی۔ فرق صرف یہ تھا کہ پہلے شخص نے جب قصہ سنایا تو خود اسے اس قصے کی صداقت پر یقین نہیں تھا۔ اس لئے اس کے بیان میں سچائی کا وہ اعتماد مفقود تھا جو دوسرے شخص میں موجود تھا۔ دوسرے شخص کو قصے کی صداقت کا خود یقین تھا لہٰذا اس نے بڑے اعتماد اور خلوص کے ساتھ اسے بیان کیا۔ یہی بات سننے والے کے لئے موثر ثابت ہوئی یہی اصول ہپناٹزم میں کام کرتا ہے۔ ہپناٹسٹ کو اپنے اوپر مکمل اعتماد ہوتا ہے کہ وہ مریض کو غنودگی میں لے جانے کا اہل ہے۔ لہٰذا جب وہ سجیشن دیتا ہے تو مکمل اعتماد اور یقین کے ساتھ دیتا ہے معمول کا ذہن اس سے اثر قبول کرتا ہے۔

ابھی یہ سوال باقی ہے کہ آخر معمول سجیشن قبول ہی کیوں کرتا ہے؟ یعنی کسی قصے پر یقین کر لینا اور بات ہے مگر کسی دوسرے کے کہنے پر غنودگی میں مبتلا ہوجانا اور بات ہے۔ دراصل انسان کا ذہن پیدائش سے ہی اپنے ہم جنسوں کی سجیشن کو قبول کر کے اس

پر عمل کرنے کا عادی بن جاتا ہے۔ بچہ بلبلا رہا ہو تو ماں اسے تکرار سے خاموش کر لیتی ہے۔ وہ کروٹیں بدل رہا ہو تو ماں تھپک تھپک کر سلا دیتی ہے۔ اور پھر جیسے جیسے وہ عمر کے اوراق پلٹتا جاتا ہے ہر لمحے وہ دوسروں کی سجیشن کو قبول کرتا چلا جاتا ہے باہر مت جانا بیٹے باہر کتا ہے۔ شرارت نہیں کرتے، بیٹا، اللہ میاں خفا ہوتے ہیں اور وہ ان احکامات کی پابندی کرتا چلا جاتا ہے۔ یہ اس کی فطرتِ ثانیہ بن جاتی ہے۔ بیٹھ جاؤ، کھڑے ہو جاؤ، پڑھو، کھاؤ، سو جاؤ، تمام عمر وہ یونہی احکامات کی سجیشن کو قبول کرتا اور ان پر عمل کرتا ہے۔ جوان ہوتا ہے تو ماں پیسے دیتی ہے کہ بازار سے فلاں ٹوتھ پیسٹ لیتے آؤ۔ دوکان پر جا کر وہ اس ٹوتھ پیسٹ کے بجائے دوسرے نام کی پیسٹ خرید لیتا ہے کیوں؟ اس لئے کہ اس ٹوتھ پیسٹ کا حال ہی میں مسلسل پروپیگنڈہ ہو رہا تھا۔ اس کے ذہن نے اشتہار بازی کی سجیشن کو قبول کر لیا تھا۔ ہپناٹزم اور اشتہار بازی میں تھوڑا ہی فرق ہے۔ اشتہار باز اپنی چیز کے لئے مسلسل اشتہار دے کر آدمی کے ذہن کو ہپناٹائز کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی قوت مزاحمت کمزور پڑ جاتی ہے۔ وہ اس سے متاثر ہو کر وہ چیز خرید لیتا ہے۔ ان مثالوں کے بعد آپ پر یہ واضح ہو گیا ہوگا کہ انسان کا ذہن کس شدت سے احکامات اور سجیشن کو قبول کرنے کا عادی ہو چکا ہوتا ہے۔

اس کے ذہن کی اسی عادت سے ہپناٹسٹ فائدہ اٹھاتا ہے۔ جب وہ اپنے معمول کو مسلسل سجیشن دیتا ہے تو پہلے پہل اس کا معمول مزاحمت کرتا ہے مگر اس کی مسلسل تکرار بتدریج اس کی مزاحمت میں کمی کرتی چلی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کا ذہن عامل کی سجیشن پر دھیان دینے لگتا ہے اور یوں آہستہ آہستہ اس پر غنودگی طاری ہونے لگتی ہے۔

یہ نیند اس نیند سے قطعی مختلف ہوتی ہے جو قدرتی طور پر طاری ہوتی ہے۔ معمول جب ہپناٹسٹ کی سجیشن کے تحت عالمِ غنودگی میں جاتا ہے تو وہ اس کے علاوہ کسی اور کی نہ تو آواز سن سکتا ہے۔ نہ شعوری طور پر خود کوئی حرکت ہی کر سکتا ہے۔ شعور اور محتسب کے مفلوج ہو جانے کے بعد معمول کا لاشعور ہپناٹسٹ کی ہر بات کو قبول کرتا ہے اگر ہپناٹسٹ اپنے معمول کے ہاتھ میں ایک ربڑ کی گیند دے کر کہے کہ یہ نارنگی ہے تو معمول اسے نارنگی ہی سمجھے گا۔ اگر وہ اسے نشتر سے کاٹ کر کہے کہ تمھیں بالکل درد نہیں ہوگا تو معمول کو قطعی درد

محسوس نہیں ہوتا۔ گویا اس کے دماغ کے وہ تمام خلیے متاثر ہوتے ہیں جن کا تعلق شعور یا احساس سے ہوتا ہے۔ اس طرح ہپناٹزم کے ذریعہ بغیر درد کے آپریشن بھی کئے جاتے ہیں۔

نفسیاتی مطالعہ کے ذریعے انسان کے لاشعور میں چھپے حادثے اور واقعات شعور میں لائے جاتے ہیں۔ ہپناٹزم کے ذریعے چونکہ عامل کی گرفت ڈھیلی ہو جاتی ہے۔ اس لئے اس کے لاشعور سے بآسانی واقعات کو باہر نکالا جا سکتا ہے۔ سجیشن کے ذریعے معمول کو انتہائی طفلی حالت میں واپس لے جایا جا سکتا ہے۔ بعض ماہرین کا خیال ہے کہ آدمی کو اس حد تک ماضی کی طرف لوٹایا جا سکتا ہے کہ وہ ماں کے پیٹ میں جو حالات اس پر گذرے ہیں وہ بھی بتا سکتا ہے۔ اس بات پر بہر حال متضاد آرا ہیں۔ کیونکہ اس کا کوئی ثبوت نہیں ہوتا کہ معمول سچ کہہ رہا ہے یا وہ محض کسی وہم اور FANTASY کی بنا پر ایک من گھڑت قصہ سنا رہا ہے اور خطرے کا یہی وہ مرحلہ ہوتا ہے۔ جب ایک آدمی کا ہپناٹسٹ بننا خود اسے اور مریض دونوں کو مشکلات میں ڈال سکتا ہے۔ ایک آدمی جس نے علم طب اور نفسیات کا مطالعہ نہ کیا ہو اگر ہپناٹسٹ بن جاتا ہے تو وہ ایسے واقعات اور حادثات سے دوچار ہو سکتا ہے جو بے انتہا خطرناک صورت اختیار کر سکتے ہیں۔

امریکہ میں حال ہی میں ایک نفسیات کی لیکچرار نے اپنی ایک طالبہ کو ہپناٹائز کیا تو وہ اسے جگا نہ سکی معمول اس کے قابو میں نہ رہا اور وہ کافی عرصہ تک غنودگی میں پڑی رہی۔ اس لیکچرار پر مقدمہ چلایا گیا۔ وہ نفسیات کی ماہر تو تھی مگر ہپناٹزم کی مجاز نہ تھی۔

کسی عام آدمی کو دیکھ کر ایک غیر ماہر ہپناٹسٹ یہ اندازہ نہیں لگا سکتا کہ اس شخص کے لاشعور میں کیا کیا لاوا ابھرا ہوا ہے آیا وہ دہری شخصیت کا مالک ہے یا ہسٹریا کا مریض ہے۔ یا اس کے اندر کوئی ایسا الجھاؤ ہے جو ہپناٹزم سے تحریک پا کر مریض کو ذہنی خلفشار میں مبتلا کر دے۔ یا دوران غنودگی وہ کسی ایسے دورے میں مبتلا ہو جائے جو عام آدمی کی سمجھ سے ہی بالاتر ہو۔ اس طرح معمول یا مریض ہپناٹسٹ کی گرفت سے باہر نکل سکتا ہے چنانچہ اگر کوئی آدمی دل کے مرض میں مبتلا ہے یا کسی کا بلڈ پریشر بہت کم ہے تو غیر طبی ہپناٹسٹ کے ہاتھوں نقصان اٹھا سکتا ہے۔

آج کل کے نوجوانوں میں ہپناٹزم سیکھنے کا

عام رجحان پایا جاتا ہے۔ اس لئے ان کا مقصد مطالعہ نہیں ہوتا بلکہ شعبدہ بازی یا اپنے دوستوں میں اونچا مقام حاصل کرنے کی تمنا ہوتی ہے۔ یہ لوگ کتابوں کے ذریعہ اس علم کو سیکھنے میں وقت خراب کرتے رہتے ہیں اور اگر ہزار میں سے کسی ایک نے مسلسل محنت سے ہپناٹزم سیکھ بھی لی تو مندرجہ بالا خدشات ہمیشہ اس کے ساتھ رہتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ اپنی غیر پختہ ذہنیت کی بنا پر وہ معمول کو محض اپنے شوق میں کوئی ایسی پوسٹ ہپناٹک سجیشن دے دے جس کی اہمیت سے وہ آگاہ نہ ہو۔ یہ سجیشن معمول کی جان کو خطرے میں ڈال سکتی ہے۔

عام آدمیوں کو ایک بہت بڑی غلط فہمی یہ بھی ہوا کرتی ہے کہ ہپناٹزم کے ذریعے معمول سے ہر کام کرایا جا سکتا ہے اس غلط فہمی کی بنا پر آج کل کے نوجوان بڑے شوق سے ہپناٹزم کی کتابیں پڑھتے ہیں اور ان میں درج شدہ اسباق پر عمل کرتے ہیں۔ میں پہلے بتا چکی ہوں کہ معمول کا شعور غنودگی میں ڈوب جاتا ہے مگر اس کا محتسب باوجود سست پڑ جانے کے بالکل غافل نہیں ہوتا۔

اس لئے اپنے معمول کو اگر کوئی ایسا کام کرنے کی سجیشن دی جائے گی جو اس کی اخلاقی قدروں کے خلاف ہو گی تو نہ صرف معمول جاگ جائے گا بلکہ ہو سکتا ہے وہ کوئی غلط قدم ہی اٹھالے۔

لہٰذا یہ قطعی سمجھ لینا چاہیئے کہ معمول سے ہر قسم کا کام نہیں لیا جا سکتا۔ نوجوانوں کو یہ خوش فہمی دور کر دینی چاہیئے۔

مندرجہ بالا خامیوں اور مشکلات کے پیشِ نظر ہی عہد جدید میں ماہرین نفسیات نے ہپناٹزم کے ذریعے تحلیلِ نفسی کرنا ترک کر دیا ہے۔ اس کی بجائے اب غنودگی کے لئے سوڈیم پنٹوتھال کے ٹیکے لگائے جاتے ہیں۔ ان ٹیکوں کے ذریعے ہر شخص پر غنودگی طاری ہو جاتی ہے۔ یوں وقت بھی بچ جاتا ہے اور مریض کے لئے وہ خطرہ بھی نہیں رہتا جو ہپناٹزم میں ہوتا ہے۔ اگر ہپناٹزم ہر جگہ کامیاب ہوتا اور اس میں خرابیاں موجود نہ ہوتیں تو پھر عہدِ جدید میں اس کو ترک نہ کیا جاتا۔

بہر نوع ہپناٹزم سیکھنے کے لئے نفسیات کا مطالعہ از حد ضروری ہے۔ ساتھ ہی علمِ طب کا جاننا بھی لازم ہے۔ اس کے بغیر ہپناٹزم سیکھنا یا سکھانا دونوں خطرناک ہیں۔

ابو سلیم

روزے کی نیت

ہر شخص جانتا ہے کہ اگر کوئی کسی کو جانتے بوجھتے قتل کر دے تو یہ ایک بدترین جرم ہے۔ اور تقریباً ہر قانون میں اس کی سزا موت ہی ہے۔ لیکن اگر بلا ارادہ کسی کے ہاتھوں کسی کی جان جاتی ہے تو اسے اس نظر سے نہیں دیکھا جاتا اور اس کے لئے یا تو کوئی سزا نہیں ہوتی اور اگر ہوتی بھی ہے تو محض غفلت اور نادانی کے پیشِ نظر کچھ تھوڑی سی سزا دے دی جاتی ہے۔ پھر آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ اگر کسی مظلوم کی حمایت میں آپ جانتے بوجھتے بھی کسی ظالم کو قتل کر دیں تو اس پر نہ صرف یہ کہ آپ کی کوئی گرفت نہ ہوگی بلکہ آپ کو انعام کا مستحق بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ مثلاً کسی گھر پر ڈاکو چڑھ آئیں اور آپ گھر والوں کی حفاظت کی خاطر گولی چلا کر دو چار ڈاکوؤں کو ہلاک کر دیں تو آپ کے اس کام کی تعریف ہی کی جائے گی اور مواخذہ کچھ بھی نہ ہوگا، حالانکہ آپ نے جان بوجھ کر انسانی جان کو ہلاک کیا ہے۔ یہ فرق جو آپ دونوں حالتوں میں دیکھتے ہیں محض نیت کا فرق ہے۔ ایک شخص اگر اپنی دشمنی کی آگ بجھانے یا اپنا کوئی مادی فائدہ حاصل کرنے کے لئے کسی کو کوئی قتل کرتا ہے تو چونکہ اس کی نیت غلط ہے اُسے لوگ قاتل کہتے ہیں اور اُسے موت کی سزا دی جاتی ہے۔ دوسرا شخص ظالموں کے ظلم سے خود بچنے یا دوسروں کو بچانے کے لئے جان بوجھ کر انسانی جان ہلاک کرتا ہے تو اس کی تعریف کی جاتی ہے

اور اُسے انعام دیا جاتا ہے۔ یہ صرف نیت کا فرق ہے اس کے علاوہ فعل قتل کی حیثیت میں کوئی فرق نہیں
اب روزہ کو دیکھئے۔ روزہ میں نیت فرض ہے کم ہی لوگ اس کی اہمیت کو محسوس کریں گے۔ ایک شخص اگر صبح سے شام تک کھانے پینے سے اس لئے پرہیز کرتا ہے کہ یہ اس کے نزدیک صحت کے اصولوں کے مطابق ایک مفید کام ہے تو اگرچہ شکل کے اعتبار سے اس کا بھوکا پیاسا رہنا روزہ دار ہی کی طرح ہے لیکن آپ یہی کہیں گے کہ اس کا روزہ نہیں ہوا، کیونکہ اس نے روزہ کی نیت نہیں کی تھی لیکن اسی طرح کوئی شخص صبح سے شام تک کسی الجھن میں پھنسا رہا اور اسے دن بھر کھانے پینے کا موقع نہیں ملا تو دیکھنے میں تو اس میں اور ایک روزہ دار میں آپ کو کوئی فرق دکھائی نہ دے گا لیکن آپ یہی کہیں گے کہ اس شخص کا روزہ نہیں ہوا، یہ تو بس ایک فاقہ ہو گیا۔ یہاں بھی وہی بات ہے۔ اس نے روزہ کی نیت نہیں کی، اور نیت کے بغیر روزہ نہیں ہوتا۔

کبھی آپ نے یہ بھی سوچا کہ آخر نیت کی یہ اہمیت کیوں ہے۔ اگر مقصد یہی تھا کہ انسان کچھ دیر کے لئے کھانے پینے اور اپنی خواہشات کی تکمیل سے رُکا رہے تو وہ رُکا رہا۔ چاہے صحت کی برقرا[ری] کے خیال سے رکا رہا یا کسی مجبوری کی وجہ سے[،] پھر کیا وجہ ہے کہ اُسے تو کوئی فائدہ نہ پہنچے، اور فائدہ پہنچنے کے لئے نیت شرط ہو۔

قرآن پاک میں روزہ کا ایک نہایت اہم فا[ئدہ] یہ بتایا گیا ہے کہ اس سے تمہارے اندر تقویٰ [کی] کیفیت پیدا ہوگی یعنی تمہارے اندر یہ قوت پید[ا] ہوگی کہ تم خدا کی نافرمانی سے بچو اور اس کی ناخو[شی] سے ڈرو۔ یہ فائدہ اس صورت میں کبھی حاصل نہیں ہوسکتا، جب آپ یا تو بلا ارادہ کھانے پینے سے رُک جائیں یا اس سے آپ کی غرض کچھ او[ر] ہو۔ روزہ کی نیت کا مطلب یہ ہے کہ پہلے آپ اس یقین کو اپنے اندر جگہ دیتے ہیں کہ آپ جو اپنا کھانا پینا چھوڑ رہے ہیں وہ اپنے اس آ[قا] اور مالک کے حکم سے چھوڑ رہے ہیں جس نے آپ کو پیدا کیا ہے اور اپنی بے شمار نعمتو[ں] سے نوازا ہے۔ آپ کو یہ یقین ہوتا ہے کہ و[ہ] ہمارا خالق اور مالک ہے۔ اسی نے ہمیں زند[گی] عطا کی ہے۔ اور وہی ہمیں موت دے گا۔ پھر و[ہی] ہمیں دوبارہ زندہ کرکے اُٹھائے گا اور ا[س] دنیا میں ہم نے جو کچھ کیا ہے اس کا حساب

...کا یہ یقین بھی تازہ ہو جاتا ہے کہ اس حساب کے دن کامیابی اسی کو حاصل ہو گی جس نے اس زندگی میں خدا کی اطاعت کی ہو گی اور اس کی خوشنودی کے لئے جس نے اپنی صلاحیتوں کو لگایا ہو گا۔ دراصل یہ ایمان اور یقین ہی وہ چیز ہے جو انسان کی زندگی کے رُخ کو پلٹتا ہے۔ اس یقین کا اثر انسان کے ہر کام پر پڑتا ہے۔ اسی یقین کی قوت پر وہ ان چیزوں کو چھوڑتا ہے اگرچہ اس کے نفس کو انتہائی مرغوب ہوتی ہیں لیکن خدا انہیں پسند نہیں کرتا، اور اسی ایمان کی قوت پر وہ ان چیزوں کو اختیار کرتا ہے جو اگرچہ اس کے نفس کو پسند نہیں ہوتیں، لیکن اللہ انہیں اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ :۔

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔

"جس نے رمضان کے مہینے میں ایمان اور احتساب کے ساتھ روزہ رکھا اس کے تمام پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے۔"

ایمان کا مطلب یہی ہے کہ بندہ اللہ کو اپنا آقا اور مالک مانے، اس کے احکامات اور ہدایات کو اپنے لئے واجبُ التعمیل سمجھے۔ اور اس بات کا یقین رکھے کہ اُسے ایک دن اس کے حضور حاضر ہو کر اپنے کاموں کا حساب دینا ہے اور اسی کے مطابق اچھا اور بُرا بدلہ پانا ہے۔ اور احتساب یہ ہے کہ بندہ جو کچھ کرے خالص اللہ کی خوشنودی اور اس سے اَجر پانے کی توقع میں کرے۔ اس کے علاوہ اس کے عمل میں کوئی مصلحت اور کوئی دوسری غرض شامل نہ ہو۔ بس یہی روزہ کی نیت کا مقصد ہے اور اسی لئے یہ کہا ہے کہ بغیر نیت کے روزہ روزہ نہیں۔ شریعت میں تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام ہی اعمال کے بارے میں فرمایا ہے کہ :۔

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ

مرحبا اے ہلالِ ماہِ صیام

(اشعر رامنگری)

مرحبا اے ہلالِ ماہِ صیام
تیری بانکی ادا کو میرا سلام

تو ہے مومن کو رحمتوں کا پیام
آنکھ کا نور، قلب کا آرام

کھو گئی تھی کلیدِ بابِ بہشت
اب نظر آئی ہے وہ برسرِ بام

مژدہ خلد لے کے آ پہونچا
عرش کا قاصدِ خجستہ گام

تیرے فیضانِ خاص کے صدقے
تجھ میں نازل ہوا خدا کا کلام

تیری راتیں ہیں رحمتوں کی امین
خیر و برکت سے پُر تیرے ایّام

اب ملا لطفِ ذکر و استغفار
اب بڑھی لذتِ صلوٰۃ و سلام

یہ تہجد میں قرأت پرسوز
مزرعِ دل پہ بارشِ الہام

رات کی خامشی میں جیسے خدا
اپنے بندوں سے خود ہو محوِ کلام

دل میں شوقِ جنوں ہوا بیدار
پھر بہاروں کے آ گئے ایّام

آج ہے زحمتوں میں بھی لذت
آج ہے کلفتوں میں بھی آرام

یہیں رک جائے وقت کی گردش
کھینچ دو توسنِ زماں کی زمام

مراکش افریقہ کے شمال میں واقع ہے مراکش کے مغرب میں بحیرہ اٹلانٹک، شمال میں بحر متوسط (MEDITERIAN SEA) اور اس کے مشرق میں الجزائر (ALGERIES) ہے۔
مراکش کو مغرب اقصیٰ بھی کہا جاتا ہے

نسل و زبان۔ مراکش ایک مسلم ملک ہے۔ ملکی زبان عربی ہے۔ یہاں کے عوام کی اکثریت اُن عربی مسلمانوں کی نسل سے ہے جو ساتویں صدی میں یہاں آئے تھے۔ ان کے یہاں آنے سے پہلے یہاں بربر نسل کے لوگ بستے تھے، مگر عربی مسلمانوں کے آنے کے بعد ان کی زندگی میں نمایاں تبدیلیاں رونما ہوگئیں اور ان کے عمدہ اخلاق و عادات، رہن سہن عادلانہ معاملات اور محبت بھرے سلوک نے بربر نسل کا دل موہ لیا۔ اور وہ مسلمان بنتے چلے گئے۔ ایک خدا کی عبادت نے اُن کی ذہنیت کو بہت جلد گرویدہ کر لیا اور پھر اپنی زبان کو خیرباد کہہ کر عربی زبان کو اپنانے لگے۔ عرب اور بربر دونوں نسل کے لوگ سُرخ رنگ کے ہوتے ہیں، مگر یہاں سیاہ فام بھی بستے ہیں جو زیادہ تر مراکش کی صحرائے اعظم سے ملنے والی حدود میں آباد ہیں۔ بربر باشندوں کی طرح ان لوگوں کو بھی اسلام کی وحدانیت اللہ، انسانوں کے ساتھ ہمدردی اور عدل و انصاف کی تعلیمات نے اسلام کے گوشہ عافیت میں لے لیا اور وہ بھی بربر اور عرب مسلمانوں کے ساتھ گھل مل گئے اور آپس

میں شادی بیاہ کرنے لگے۔

ایک زمانے میں مراکش کے ساحلی علاقوں کے آس پاس ۲ لاکھ کے قریب یہودی آکر بس گئے تھے جن کو بعد میں یورپین اور، بیین کی حکومتوں نے مار بھگا دیا تھا۔ یا خود بھاگ کر چلے آئے تھے۔ یہاں پر قریب ۲ لاکھ یورپین نسل کے لوگ بھی آباد ہیں جو کہ زیادہ تر کاسا بلانکا (بحرہ اٹلانٹک پر واقع ایک اہم بندرگاہ) پر آباد ہیں۔

پیشہ ۔ مراکش عوام زیادہ تر کاشتکار ہیں۔ جو اپنی پیداوار میں ترقی کے لئے خوب محنت کرتے ہیں اور غذا کی حد تک خودکفیل ہیں۔ اب تک کھیت جوتنے کا کام اونٹ خچر اور گدھوں سے لیا جاتا تھا مگر اب ٹریکٹروں کا استعمال بھی کافی ہو گیا ہے۔ مراکش کے جنوب میں کچھ خانہ بدوش قبائل بھی پائے جاتے ہیں۔ ان خانہ بدوشوں کی عام غذا کھجور اور اونٹ کا دودھ ہے۔ یہ خانہ بدوش مراکش کی تہذیب میں بہت اہم پوزیشن رکھتے ہیں۔ چند خانہ بدوش قبائل بناد (NOMADS) سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان خانہ بدوشوں کی اکثریت بلند اور خشک علاقوں میں رہتی ہے جہاں کاشت نہیں کی جاتی مگر وہ اپنے مویشیوں بھیڑ اور اونٹ کی افزائش نسل کے لئے ان علاقوں کو مفید سمجھتے ہیں۔ ان کی عورتیں بھیڑ کی اون سے بڑی بڑی رضائیاں اور کمبل بنتی ہیں اور ان پر بہترین کڑھائی کرتی ہیں اور انھیں خود استعمال کرنے کے علاوہ شہروں میں جاکر فروخت کرتی ہیں۔ مویشیوں کو زیادہ تر گوشت کے لئے پالا جاتا ہے۔

مذہب ۔ مراکش عوام کی اکثریت جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے مذہب اسلام کی ماننے والی ہے۔ اقلیت میں دوسرے مذاہب کے لوگ بھی ہیں اور وہ اپنے مذہب اور طرز زندگی کے معاملہ میں آزاد ہیں۔ یہاں کے مسلمان عام طور سے اپنے مذہب کے احکام کو پورا کرنے میں بہت کوشاں رہتے ہیں۔ اور ہر اس چیز اور کام سے اجتناب کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو اسلامی عقائد اور تعلیمات کے خلاف ہو۔ بالعموم اسلام کے فرائض کو دوسرے کاموں پر فوقیت دی جاتی ہے۔ بچہ سات سال کا ہو جاتا ہے تو اس کو مسجد لے جانے کا اہتمام ہوتا ہے۔ ماہِ رمضان کا منظر یہاں بہت ہی روح افزا ہوتا ہے۔ پورے ملک میں تمام لوگ روزہ رکھتے ہیں۔ دن کے وقت تمام بازار، دکانیں اور ریسٹوران بھی بند رہتے ہیں۔ شام کے قریب تھوڑے وقت کے لئے کھل جاتی ہیں۔ ہر جگہ درس وتدریس کی محفلیں ہوتی ہیں۔ عورتیں اکثر اپنا ایک حلقہ بناتی ہیں اور اسلامی تاریخ پڑھتی اور اس سے

سبق سیکھتی ہیں۔ اگر کوئی مسلمان روزہ رکھنے کی طاقت کے باوجود روزہ نہیں رکھتا ہے تو اس کو سزا دی جاتی ہے بعض جگہ کوڑے مارتے ہیں اور بعض جگہ جرمانہ لیا جاتا ہے رمضان کی بیشتر راتیں چراغاں ہوتی ہیں، حمد و نعت سے فضا گونجتی رہتی ہے۔

پہلے عورتیں گھروں سے بہت کم نکلا کرتی تھیں مگر آج کل بازاروں میں یہاں بھی کافی تعداد میں نظر آتی ہیں لیکن اس کے باوجود جب بھی عورتیں باہر نکلتی ہیں تو اپنے پورے بدن کو قبا سے ڈھانکتی ہیں جو کہ سوت اور اُون کا بنا ہوتا ہے۔ جس کو جیلابس (JELLABS) کہا جاتا ہے۔ قبا کے علاوہ ایک چادر بھی اکثر استعمال میں رہتی ہے جس سے یہ چہرے کے بقیہ حصّے کو جو کہ قبا سے نہیں چھپتا ہے چھپاتی ہیں، مطلب پردہ کی سخت پابند ہیں۔ عورتیں محنتی بھی ہوتی ہیں۔ اکثر و بیشتر وہ خود بھی باپ یا بھائیوں کا اپنے کھیتوں میں ہاتھ بٹاتی رہتی ہیں۔ خرید و فروخت کے لئے بازار بھی جاتی ہیں مگر کبھی مردوں سے گھل مل نہیں پاتیں یہاں کے بہت سے بازار ایسے ہیں جو صرف عورتوں کے لئے مخصوص ہیں۔

آج جبکہ فرنگی تہذیب نے ہر جگہ اپنا جال بچھا رکھا ہے مسلم ممالک بھی اس کی خرابیوں سے محفوظ نہیں رہ سکے ہیں چنانچہ مراکش میں جہاں بہت سی مذہبی خوبیاں باقی ہیں جن کا بیان اوپر ہوا، وہاں دین سے غفلت اور اسلامی تعلیمات سے لاپروائی کی بھی کچھ نہ کچھ فضا ضرور پیدا ہوگئی ہے۔ جو بڑی افسوس ناک ہے۔

البتہ مجموعی طور سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ مراکشی مسلمان اپنے مذہب اسلام کے گرویدہ ہیں اور عام طور سے اپنے مذہب پر عمل کرنے کا شوق رکھتے ہیں مذہب سے تعلق کا ذکر اوپر بھی آچکا ہے۔ مسجدیں تمام ہی آباد رہتی ہیں۔ عوام کے اندر اسلامی حس بھی کافی بیدار ہے۔ اسلام یا مسلمانوں پر کی جانے والی زیادتی کا بڑا اثر لیتے ہیں۔ خاندانی نظام دین کی بنیادوں پر قائم ہے اور عورتیں بالعموم پردہ کی پابند ہیں۔

مراکشی عوام کی مذہبی حیثیت اور اسلام سے شغف کا کسی حد تک اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ دنیائے اسلام کی پہلی مسلم سربراہ چوٹی کانفرنس مراکش ہی کی راج دھانی رباط میں ہوئی تھی۔ اور اس رباط کانفرنس کا آج تک چرچا ہے۔

جہاں تک اخلاق و عادات کا تعلق ہے تو ان پر اسلام کی اخلاقی تعلیمات کا اثر پایا جاتا ہے۔ بھائی چارگی ہمدردی، ملنساری، تعاون اور انسانیت دوستی کی فضا پائی جاتی ہے۔ معاملات کے لحاظ سے یہ بڑے کھرے لوگ ہیں۔

تعلیم مسلمان اکثریت کا ملک ہونے کی وجہ سے تعلیم کے معاملہ میں سب سے پہلے قرآن پاک کی تعلیم پیش نظر رہتی ہے۔ قرآن پاک کی تعلیم میں دو باتوں کا لحاظ کیا جاتا ہے، ایک تو قرآن کا حفظ اور دوسرے اس کو سمجھ کر پڑھنا اور اس کے مطالب کو سمجھنا۔ ابتدائی تعلیم کے بعد عام طور سے بچوں کو حفظِ قرآن کی ترغیب دی جاتی ہے اور اس کے لئے والدین سخت اہتمام کرتے ہیں۔ پھر جب بچہ سنِ شعور کو پہنچتا ہے تو اس کو قرآن کے مطالب و معانی سمجھائے جاتے ہیں۔ دین کی تعلیم کا عام طور سے اتنا اہتمام ضرور کیا جاتا ہے۔

جہاں تک جدید تعلیم کا تعلق ہے چند برس پہلے تک تو جدید تعلیم کا رجحان تقریباً نہ ہونے کے برابر تھا اور اس وقت بھی جبکہ یہ رجحان ملک میں طاقتور ہوتا جا رہا ہے ملک کی بڑی آبادی جدید تعلیم سے محروم ہے البتہ حال میں عربی ممالک میں ترقی پذیری کی جو لہر پیدا ہوئی ہے اس نے مراکش کو بھی پوری طرح متاثر کیا ہے۔ چنانچہ حکومت جدید تعلیمی اداروں کی طرف متوجہ ہوئی ہے۔ عوام کے اندر جدید علوم پر عبور پانے کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ نیز برسرِ روزگار اور دن میں مصروف لوگوں کی تعلیم کے لئے شبینہ ادارے کھولے گئے ہیں تاکہ انہیں دورِ جدید کے تقاضوں سے واقف کرایا جا سکے اپنے اسلامی امتیازات کو برقرار رکھتے ہوئے اگر جدید ترقیاتی وسائل کو بھی استعمال میں لایا جائے تو یہ ایک صحت مند اقدام ہے۔

۱۹۶۴ء سے تعلیم ہر شہری کے لئے لازمی قرار دے دی گئی ہے۔ اس وقت تقریباً .....۱۵ بچے پرائمری اسکولوں میں تعلیم پا رہے ہیں جو کہ آبادی کا ۴۰ فیصدی ہے۔ ثانوی مدرسوں (ہائی اسکول) میں طلبا کی تعداد ۲ لاکھ ۲۰ ہزار کے قریب ہے۔ اور ملک کی مختلف یونیورسٹیوں میں ۱۵ ہزار سے زائد طلبا اعلیٰ تحقیقات اور مختلف علوم و فنون کے مطالعہ میں مصروف ہیں۔ ملک کی دو یونیورسٹیاں بڑی اور اہم ہیں۔ ایک رباط یونیورسٹی (RABAT UNIVERSITY) اور دوسری اسلامک کروئین یونیورسٹی (ISLAMIC KARAUINE UNIVERSITY) جو کہ فیض (FAIZ) میں ہے۔ موخر الذکر یونیورسٹی بہت ہی قدیم ہے اور اسلامی تعلیمات کا بہت اہم مرکز ہے۔

کالجوں اور یونیورسٹیوں میں مخلوط تعلیم کا نظام رائج ہے۔ اگرچہ کوشش یہی کی جاتی ہے کہ اس نظام سے کوئی بگاڑ نہ پیدا ہو۔ لیکن یہ کوشش کوئی معنی نہیں رکھتی۔ مسلم ملک کی حیثیت سے مخلوط تعلیم کا رواج زبردست عیب ہے جس کی تلافی کی صرف یہی صورت ہے کہ یہ رواج ختم

کیا جائے۔ ورنہ اس سے پیدا ہونے والے بگاڑ پر ہر بند بھینچنا ثابت ہو گا۔ البتہ پرائمری اور ہائی اسکول کی تعلیم مخلوط طریقہ پر نہیں ہے۔ طلباء کی ذہنی صلاحیت اخلاق و عادات، رہن سہن پر خاصا زور دیا جاتا ہے تا کہ آگے چل کر طلبا ر قوم کی تعمیر میں اور اسلامی خدمات کے لئے بھرپور حصہ لے سکیں۔ اور تعمیر پسند نسل بن کر نکلیں۔

سرزمین (LAND) مراکش کے مغربی ساحلی علاقہ کی زمین بہت زرخیز ہے۔ بحیرۂ اٹلانٹک سے آنے والی ہوائیں اپنے ساتھ بارش لاتی ہیں جو کہ فصل کے لئے ضروری ہے۔ پوری سرزمین پر کاشت کی جاتی ہے۔

جنوب میں مراکش کے صحرا کا بہت بڑا علاقہ اٹلس (ATLAS) پہاڑی چوٹیوں کی وجہ سے کٹ گیا ہے جو کہ پورے شمالی افریقہ کی سب سے اونچی چوٹیاں ہیں۔ "توبکل" نامی چوٹی کی اونچائی ۱۲۰۰۰ فٹ ہے۔ زیادہ تر چوٹیاں سال بھر برف سے ڈھکی رہتی ہیں۔ ریف پہاڑ (RIF MOUNTAIN) مراکش کے شمال میں واقع ہے۔ یہاں کی بڑی بڑی ندیاں پہاڑوں سے ہی نکلی ہیں جو یہ ہیں۔ مولویاد (MOULOUYA) سابو (SABOU) ام الربیع (OUM-ER-RABIA) اور غیرک (GHERICS)۔

صنعت اور پیداوار۔ مراکش کے ۷۰ فیصد آدمی کسان ہیں۔ جَو اور گیہوں کی کاشت ہوتی ہے زیتون اور انگور کی بھی پیداوار ہوتی ہے۔ المنڈ کے درخت بھی لگائے جاتے ہیں۔ قریب قریب ہر کسان اپنے پاس بھیڑ اور بکریاں رکھتا ہے۔ گائیں اور مرغیاں بھی پالی جاتی ہیں۔ ان کے کھیت بہت چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں جو کہ پٹیوں (BORDERS) کے سبب ٹکڑوں کی شکل میں نظر آتے ہیں۔ ساحلی علاقوں پر بڑے بڑے فارموں میں زراعت کے جدید طریقے اختیار کئے گئے ہیں جو زیادہ تر یورپ کے تعاون سے ہیں جہاں ٹماٹر، لیمو، پھل اور زیتون کی کاشت کی جاتی اور یہ پوری پیداوار یورپ کو برآمد کی جاتی ہے۔ دوسری اہم برآمدی پیداوار پام درختوں سے حاصل کیا جانے والا فائبر (FIBER) جو کہ زیادہ تر فرنیچر کے کاموں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ پام درخت اور فائبر برآمد کرنے میں مراکش دنیا میں پہلے نمبر پر ہے۔ کارک برآمد کرنے میں بھی مراکش کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ سمندر کے ساحلی علاقے مچھلیوں سے بھرے پڑے ہیں جن میں خاص کر سردائن (SARDINES)

ٹونا (TUNA) اور میکرل نامی مچھلیاں کافی مقدار میں ہیں۔ سردائن نامی مچھلی سے ایک قسم کا آٹا تیار کیا جارہا ہے جو کہ بہت ہی سستا اور اصلی آٹے سے بھی اچھی قسم کا ہوتا ہے۔

مراکش کی سرزمین کو معدنی دولت کا بھی اچھا حصہ ملا ہے جس کی وجہ سے معدنی حیثیت سے بھی اس کو اچھی پوزیشن مل رہی ہے۔ دنیا کا ۲۰ فیصد فاسفیٹ یہاں پر نکلتا ہے۔ اس کے علاوہ مینگنیز، جست، لوہا، زنک، کوئلہ اور دوسری اہم معدنیات یہاں پائی جاتی ہیں۔

یہاں کی صنعت میں بھی تیزی سے ترقی ہو رہی ہے فیکٹریوں میں سیمنٹ، کار، ٹرک، چمڑے کے سامان (جو اب تک ہاتھوں سے بنائے جاتے تھے) تیار ہو رہے ہیں۔ شہروں میں شاہراہیں، ریلوں کے راستے (RAILWAYS) ٹیلیفون سسٹم اور برقی نظام بہت عمدہ اور جدید طرز کا ہے جو کہ اسپین اور فرانس کے مشترکہ وسائل اور تعاون سے تیار کئے جارہے ہیں۔ عمارتیں بھی جدید طرز کی بنائی جا رہی ہیں۔

مراکش کا سب سے بڑا شہر اور اہم بندرگاہ کاسا بلانکا ہے جس کی آبادی ۱۳ لاکھ کے قریب ہے۔ دوسرا بڑا شہر مراکش ہی کے نام سے ہے جس کی آبادی پونے چار لاکھ کے قریب ہے۔ یہ اٹلس پہاڑ کے دامن میں واقع ہے۔ تیسرا بڑا شہر رباط (RABAT) ہے جو یہاں کا صدر مقام ہے۔ اس کی آبادی تقریباً تین لاکھ ہے۔

طرزِ حکومت ۔ یہاں کا طرزِ حکومت دستور شاہی (CONSTITUTIONAL MONARCHY) کے طریقے پر ہے۔ بادشاہ ملک کا سربراہ ہوتا ہے جو کہ عموماً ایک مذہبی رہنما بھی ہوتا ہے، ۲۱ سال کی عمر کے تمام مرد عورتوں کو ووٹ کا حق حاصل ہے۔ حکومت مسلمانوں کی ہے مگر تمام دوسرے مذاہب کو بھی مکمل آزادی ہے۔ اسلامی اصولوں کی رو سے ان کے ساتھ عادلانہ رویہ اختیار کیا جاتا ہے۔

تاریخ ۔ مراکش کی تاریخ کا سلسلہ پتھر کے زمانے کے باشندوں سے جا ملتا ہے۔ جس کی اکثر نشانیاں آج بھی ملتی ہیں۔ ۲۰۰۰ قبل مسیح میں اس کو بربر خانہ بدوشوں نے بسایا تھا۔ باوجودیکہ یہاں غیر ملکی حملہ آور قابض ہوتے رہے۔ مگر سب سے زیادہ اہمیت عربوں کے داخلہ کی ہے جو کہ ساتویں صدی میں یہاں آئے۔ عربوں کے آنے سے یہاں کے بربر باشندوں پر اسلام کی تعلیمات اور طرزِ معاشرت کا گہرا اثر پڑا۔ کیونکہ اس سے پہلے ان کے سامنے زندگی کا کوئی جامع مقصد نہیں تھا۔ وہ اپنے آبائی مذہب سے خود بیزار ہو گئے تھے عربوں کے ذریعہ انہیں اسلام کی شکل میں ایک بہترین مذہب

ملا تو اس کے دل کش روپ نے انہیں اپنی طرف کھینچ لیا۔ اور وہ اسلام کی طرف بے ساختہ بڑھتے چلے گئے۔

پھر دونوں (عرب نسل اور بربر کے باشندوں) نے اپنے اطراف کی سرحدوں پر تسلط جمانا شروع کیا۔ ادریس جو ایک بہادر سپہ سالار تھے اور جن کا نسب قریش قبیلہ سے جا ملتا ہے وہی سب سے پہلے مراکش ریاست کا قیام عمل میں لائے۔ آٹھویں صدی ہجری میں ان کے فرزند نے فیض (FEIZ) کو آباد کیا جو کہ دینی تعلیمات اور اسلامی تہذیب و ثقافت کا اہم مرکز بنتا چلا گیا اور آج بھی پورے مراکش میں اس کو بہت اہمیت حاصل ہے۔

صحرائے افریقہ میں صنہاجہ نامی ایک قبیلہ رہا ہے۔ جس کا تعلق اصلاً بربر نسل سے ہی ہے۔ اس قبیلہ کے اندر ایک خاندان شاہی خاندان تھا جس کو المرابطون (AL-MORAVIDES) کہا جاتا ہے۔ اس خاندان کو عظیم فتوحات حاصل تھیں اور یہ مراکش کے علاقہ میں حکومت کرتا تھا۔ گیارہویں صدی عیسوی میں اس خاندان کے ایک بادشاہ نے اپنی حکومت کو کافی وسعت دے دی تھی، اپنی فوجی طاقت اور ہنرمندی سے کام لے کر آس پاس کے الجزائر اور اسپین کے سرحدی علاقوں کو بھی فتح کر کے مراکش میں شامل کر لیا تھا اور ایک طویل مدت تک یہ حصے مراکش ہی سے وابستہ رہے۔ پھر بعد میں مراکش پر پرتگال اور اسپین کی طرف سے حملے کئے گئے جس کے نتیجہ میں مراکش کی ساحلی بندرگاہیں بھی دوسروں کے قبضہ میں چلی گئیں، جو سولہویں صدی عیسوی میں دوبارہ مراکش کے قبضہ میں آسکیں۔ سولہویں صدی عیسوی میں مراکش ایک مرتبہ پھر طاقتور ہوا۔ اور اس نے فتوحات شروع کیں۔ جس میں مغربی افریقہ کا بہت بڑا حصہ قبضہ میں آگیا اور سترھویں صدی تک مراکش کے پاس رہا۔

اٹھارہویں صدی تک مراکش کی ملکی صورت حال میں نظم و استحکام قائم رہا۔ لیکن انیسویں صدی میں پھر اس کے اندر سیاسی بحران پیدا ہوا جس کے نتیجہ میں مراکش کا اثر و رسوخ بری طرح متاثر ہوا۔ اور بیرونی طاقتوں کو دل چسپی لینے کا موقع ملا۔ رفتہ رفتہ مراکش کی سیاسی صورت حال خطرناک ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ ۱۹۱۲ء میں معاہدۂ فیض کے تحت مراکش فرانس کی نوآبادی بن گیا اور فرانسیسی استعمار نے اس سے سیاسی و اقتصادی فائدے اٹھانا شروع کر دیئے۔ مراکش کی یہ تباہ حالی دوسرے پڑوسی اسپین کے لئے بھی باعثِ کشش بنی اور اسپین نے مراکش کا شمالی علاقہ اپنے قبضہ میں لے لیا۔

دوسری جنگِ عظیم میں مراکش کو خاص اہمیت حاصل رہی ہے۔ کیونکہ فرانس کے ساتھ مل کر مراکش نوجوانوں نے زبردست رول ادا کیا ہے۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد جب

فرانس نے اپنی نوآبادیات پر سے اپنے پنجے ڈھیلے کئے اور انہیں کچھ سیاسی اختیارات دینے شروع کئے تو مراکشی افواج کی خدمات کے صلہ میں فرانس نے مراکش کو داخلی امور میں آزادی دے دی۔ اس سے فائدہ اٹھاکر چند ممتاز علماء اور لیڈروں نے مل کر ایک پارٹی کی بنیاد ڈال دی جس کو "حزب الاستقلال" کا نام دیا گیا اور اس پارٹی نے مراکش کی داخلی و خارجی مکمل آزادی کے لئے جدوجہد شروع کر دی۔ اُس وقت کے بادشاہ سلطان محمد یوسف نے بھی استقلال پارٹی سے اتفاق اور تعاون کیا جس کی وجہ سے پارٹی میں دوگنی طاقت پیدا ہوگئی۔ فرانسیسی حکومت نے جو یہ صورت حال دیکھی تو سلطان محمد یوسف کو جلاوطن کر دیا لیکن بادشاہ کی جلاوطنی سے مراکشی عوام میں اور بھی غصہ اور جوش پیدا ہوگیا۔ یہاں تک کہ جب مراکشی عوام کی طرف سے فرانس کی مخالفت انتہا کو پہنچ گئی تو توفرانس کو مراکش سے علیحدگی کے علاوہ کوئی چارۂ نظر نہ آیا اور بالآخر ۱۹۵۶ء میں مراکش کو آزادی نصیب ہوئی۔ آزادی کے بعد ٹانجیر (TANGEIR) کا علاقہ جو اسپین کے قبضہ میں چلا گیا تھا مراکش کو مل گیا۔ پھر ۱۹۶۹ء میں اسپین نے اِفنی (IFNI) کا شمال مغرب کا علاقہ بھی مراکش کے حوالہ کر دیا۔

مراکش میں سربراہ مملکت بادشاہ ہوا کرتا ہے۔ ... ملک کا لقب پہلے سلطان تھا لیکن ۱۹۶۱ء میں سلطان محمد پنجم کے انتقال کے بعد سلطان کا لقب ختم ہوگیا اور شاہ کا لقب متعین ہوا۔ شاہ حسن ثانی بادشاہ بنے جو آج بھی سربراہِ مملکت ہیں۔

موجودہ شاہ، شاہ حسن ثانی سلجھی ذہنیت کے آدمی ہیں۔ داخلی امور میں تدبر اور ہنرمندی کے علاوہ خارجی معاملات میں باہمی تعاون، خیرسگالی اور امن و امان کا رویہ پسند کرتے ہیں۔ نیز ان کے موجودہ معاونین مملکت بھی اچھے لوگ ہیں۔ اس کے باوجود آج کل مراکش کے اپنے پڑوسی ملک الجزائر سے تعلقات کشیدہ چل رہے ہیں۔ خدا کرے جلد از جلد یہ کشیدگی امن اور سکون کی صورت اختیار کرے۔

(مراکش —— ایک خاکہ)

مراکش کا دوسرا نام "المغرب الاقصیٰ" بھی ہے

صدر مقام :- رباط (RABAT)

رقبہ :- ایک لاکھ اکہتر ہزار آٹھ سو تینتالیس (۱۷۱۸۴۳) مربع میل۔

آبادی :- تقریباً ایک کروڑ ساڑھے ستر لاکھ (۱۷۰۵۰۰۰۰)

زبان :- سرکاری زبان عربی ہے۔ یورامین اور فرنچ بھی بولی جاتی ہیں۔

طرز حکومت :- دستور شاہی (CONSTITUTIONAL)

(MONARCHY) سربراہ مملکت بادشاہ اور ریاستی سربراہ وزیرِ اعظم ہوتا ہے۔

آزادی :۔ ۲؍ مارچ ۱۹۵۶ء

کرنسی :۔ درہم (DARHAM)

رکنیت :۔ اقوامِ متحدہ (UNO) عرب لیگ اور افریقی تنظیم اتحاد (O.A.U)

زرعی پیداوار : گیہوں، جو، مونگ پھلی، زیتون، پام کے درخت، پھل، تجارتی اشیاء، کپڑا، کیمیائی اشیا، بیج، اور مویشی۔

معدنیات :۔ فاسفیٹ، لوہا، جست، مینگانیز، گرافیٹ۔

برآمد :۔ فاسفیٹ، مینگانیز، جست، خام مال، مویشی۔ چمڑہ، جَو، مونگ پھلی اور پام کے درخت سے حاصل شدہ فائبر۔

درآمد :۔ خام مال، لکڑی کی مصنوعات، ٹریکٹر، کل پرزے اور شکر وغیرہ۔

غزل

واجد ساغری

کیا کہہ کے تجھے جانِ وفا بھول گئے ہیں
کچھ یاد نہیں ہے بخدا بھول گئے ہیں

بے مہریِ اُلفت کا گلہ بھول گئے ہیں
ہم ظلم و ستم، جور و جفا بھول گئے ہیں

ہر بار تمہیں یاد کیا، دل سے پکارا
ہر بار یہ محسوس ہوا بھول گئے ہیں

کیوں قہر کی نظروں سے مجھے دیکھ رہے ہو
کیا اہلِ جہاں میری وفا بھول گئے ہیں

اک بار ذرا پھر سے جھجکتے ہوئے جانا
ہم روٹھ کے جانے کی ادا بھول گئے ہیں

اغیار کی نظروں کا تجسس ارے توبہ!
آخر تری محفل میں وہ کیا بھول گئے ہیں

اس دورِ فتن کا یہ کرشمہ ہے کہ واجد
ہم جادۂ تسلیم و رضا بھول گئے ہیں

قوم پھر ہمت سے آگے بڑھنے لگی ہے

1975-76

بجلی کی پیداوار میں اضافہ

7,97,640 لاکھ یونٹ بجلی پیدا کی گئی، پہلے کبھی اتنی بجلی تیار نہیں ہوئی
ایک دن میں 2,600 لاکھ یونٹ بجلی تیار کرنے کا نیا ریکارڈ۔

25 نئے بجلی گھروں میں 1,800 میگاواٹ بجلی تیار کی گئی۔ ان میں سے
20 بجلی گھروں میں ستمبر ۱۹۷۵ء اور مارچ ۱۹۷۶ء کے درمیانی عرصے
میں بجلی تیار ہوئی۔

اس سال مزید 20,50,000 ہیکٹر رقبہ زمین کے لئے سینچائی کی سہولتیں
میسر آنے کی توقع ہے۔

6,356 دیہات میں بجلی مہیا کی گئی جس سے بجلی والے دیہات کی
گنتی 1,74,079 ہو گئی۔ 1,40,000 پمپ سیٹ چالو
کئے گئے۔

D.A.V.P. 76/89

اِسلامی حکومت میں ضابطہ قوانین کا وجود ملتا ہے

اسلام نام ہی ایک مخصوص ضابطۂ قوانین کا ہے جس کے نزدیک تمام انسان برابر ہیں جو نہ کسی کے ساتھ رو رعایت کرتا ہے اور نہ کسی کے ساتھ ذرہ برابر ظلم کرتا ہے۔ اس کی بنیاد ترتیب وار چار چیزوں پر ہے:

۱۔ قرآن مجید
۲۔ احادیث رسولؐ
۳۔ ملک و قوم کے اہل رائے و ارباب حل و عقد
۴۔ اختلاف کی صورت میں اس کی جانب ترجیح جو احکام قرآن و احادیث سے زیادہ مناسب اور مُشابہ ہو۔

اسلام کا طرز حکومت اور تمدن اور معاشرت تمام تر اسی ضابطہ پر مبنی ہے اور یہ ضابطۂ قوانین ایک عام مسلمان ہو یا فقہا کی جماعت کا رُکن مجلس مشاورت کا رُکن ہو یا رئیسِ قوم و خلیفہ، سب پر یکساں نافذ ہوتے ہیں۔ مثلاً :-

"حضرت عمرؓ نے ایک جُرم پر اپنے بیٹے عبیداللہ پر خود اپنے ہاتھ سے حد جاری کی اور اگرچہ وہ اسی سزا میں مر گئے لیکن حضرت عمرؓ نے حد سے اپنا ہاتھ نہیں روکا۔"

یہ اور اس طرح کے اور بہت سے ایسے واقعات ہیں جن کی روشنی میں ہمارے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل نہیں ہوتا کہ نہ صرف اسلامی حکومت میں ضابطۂ قوانین موجود ہوتا ہے بلکہ یہ ضابطہ قوانین ہر اعتبار سے اپنی مثال آپ ہوتا ہے، اس میں دکسی با اثر، دولتمند شخص کے لئے کوئی رو رعایت

ہے اور نہ کسی غریب کے لئے ظلم و زیادتی ہے۔ یہاں تک کہ چوری کرنے کی سزا میں محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ کا ہاتھ بھی قلم کیا جاسکتا ہے۔"

اسلامی قانون میں باعتبارِ جرم سزا کی نوعیت

استاذ مصطفیٰ احمد زرقاء اسلامی قانون اور فقہ کے ایک بڑے عالم ہیں، وہ اپنے مضمون "اسلام کا نظام تنفیذ" میں لکھتے ہیں:۔

" شریعتِ اسلامی میں اپنی گہری حکمتِ عملی کے پیشِ نظر معروف اور نمایاں جرائم کی دو اقسام جو براہِ راست اسلام کے اجتماعی نظام کی بنیادوں پر حملہ آور ہوتی ہیں، از روئے نص متعین کرکے اُن کی سزائیں مقرر کردی ہیں اور اُن کے علاوہ تمام جرائم کے استیصال و بندش کے لئے سزاؤں کی نوعیت اور مقدار کے اختیارات عام ارباب امر کو تفویض کر دیئے ہیں تاکہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق زمان و مکاں کے اختلاف افراد کی حیثیات اور معاشرے کی تہذیبی سطح کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہر جرم کی مناسب سزا مقرر کرنے میں آزاد رہیں۔ بعض لوگوں کو معمولی گوشمالی اور انتباہ ہی راہِ راست پر لے آتا ہے اور بعض موٹی کھال کے مجرم شدید عقوبت کا مزا چکھے بغیر جرم سے دست کش ہونے پر رضامند نہیں ہوتے طبیعتوں کے اسی تفاوت اور اثر پذیری کے فرق کی بنا پر شریعت حاکم کو اس امر کا مجاز ٹھہراتی ہے کہ وہ ایک ہی نوعیت کے فعل پر مختلف سزائیں نافذ کرسکتا ہے۔"

لیکن ——

" حاکم اور قاضی مجرم کے لئے تعزیر کی جو صورت بھی تجویز کریں اس میں اپنے سامنے یہ اصول رکھیں کہ وہ شرعی سزاؤں سے مناسبت رکھتی ہوں۔ یعنی ان میں انسانوں کو عذاب دینے اور وحشیانہ ایذا پہنچانے کا تصور نہ شامل ہو بلکہ محض ان کو مؤدب اور مہذب بنانے اور ان کی سرکشی کو روکنے کا مقصد پیشِ نظر ہو۔"

بات صاف اور واضح ہے۔ یعنی شریعت اسلامی کی رُو سے جرائم کی نمایاں طور پر دو اقسام ہیں:۔

ایک وہ جن کے لئے قرآن و حدیث سے واضح طور پر سزائیں متعین ہیں اور اُن میں کمی بیشی کا اختیار بعض مخصوص مصالح کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں ہے۔ مثلاً

ری کی سزا میں ہاتھ کاٹنا قرآن و سنت سے ثابت ہے۔
لیکن قحط کے زمانے میں خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ نے چوری
کی سزا میں ہاتھ کاٹنا موقوف کر دیا تھا۔

یہ دراصل وہی بات ہے کہ شریعت اسلامی
سزاؤں کا نفاذ محض انسانوں کو عذاب دینے اور وحشیانہ
ایذا پہنچانے کے لئے نہیں کرتی ہے۔ بلکہ جیسا کہ
استاذ زرقاء نے لکھا ہے ان کو مہذب اور مؤدب
بنانے اور ان کی سرکشی کو روکنے کے مقصد سے کرتی ہے۔

دوسرے وہ جرائم جن کی مدد سے شریعت نے
پہلے سے کوئی مخصوص سزائیں متعین نہیں کی ہیں بلکہ وہ حکام
کے اختیار تمیزی پر چھوڑ دی گئی ہیں تاکہ وہ حالات،
موقع محل اور مجرم کی ذہنیت کے اعتبار سے اُن کا نفاذ
کریں لیکن اس بات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے کہ اُن کی
تجویز کردہ سزائیں شرعی سزاؤں سے مناسبت رکھتی ہوں

اسلامی حکومت میں جرائم کی نوعیت

اسلامی حکومت جن اصول و بنیاد پر قائم ہوتی
ہے اُن کا لازمی تقاضا ہے کہ جرائم کی نوعیت بہت
معمولی درجہ کی رہنا چاہیئے۔ اس لئے کہ جرائم کے پھلنے
پھولنے کا موقع ایسے حالات میں فراہم ہوتا ہے کہ جب
انسان عام ضروریات زندگی سے محروم ہو اور خواہشات
و منکرات کا عام چلن ہو۔ کیا اسلامی حکومت میں اس کا
امکان موجود ہے؟ ایک فیصد بھی نہیں۔

اسلام نہ صرف خواہشات اور منکرات پر سخت
پابندیاں عائد کرتا ہے بلکہ انسان کو وہ سارے بنیادی
حقوق بھی عطا کرتا ہے جو آج بھی یقینی طور پر اقوام متحدہ
بھی انسان کو نہیں دے سکی ہے۔

اسلام پوری ذمہ داری اور شعور کے ساتھ انسان
کو جو حقوق دیتا ہے وہ مختصراً یہ ہیں:۔

(۱) جینے کا حق (۲) معذور اور کمزوروں کا تحفظ،
(۳) عورتوں کی عزت و آبرو کا تحفظ (۴) معاشی تحفظ
(۵) عادلانہ طرزِ عمل (۶) نیکی میں تعاون اور بدی میں
عدم تعاون (۷) مساوات کا حق (۸) گناہگاری سے
بچنے کا حق (۹) ظالم کی اطاعت سے انکار کا حق (۱۰)
سیاسی معاملات میں شمولیت کا حق (۱۱) آزادی کا تحفظ
(۱۲) ملکیت کا تحفظ (۱۳) عزت و ناموس کا تحفظ (۱۴)
نجی زندگی کا تحفظ (۱۵) ظلم کے خلاف احتجاج کا حق،
(۱۶) آزادئ اظہار کا حق (۱۷) ضمیر و اعتقاد کی آزادی
کا حق (۱۸) مذہبی دلآزاری سے تحفظ کا حق (۱۹) اور
آزادئ اجتماع کا حق۔

اب ظاہر ہے کہ ایک ایسا معاشرہ جس میں انسان
کو زندگی کے سارے بنیادی حقوق حاصل ہوں اور
خواہشات اور منکرات پر سخت پابندیاں عائد ہوں تب

جرائم کی کیا نوعیت ہوگی ؟

اسلام کے دورِ زریں میں نہیں موجودہ زمانے کے ایک اسلامی ملک کے بارے میں جہاں شرعی قانون کا کسی درجہ میں نفاذ ہے۔ ایک امریکی کا خراجِ تحسین ملاحظہ فرمائیے۔

جارجین بشک اپنے مضمون "سعودی عرب میں جرم وسزا" کے سلسلہ میں رقم طراز ہے :۔

" دنیا میں سعودی عرب وہ واحد ملک ہے جہاں اس ترقی یافتہ دَور میں بھی جرائم کی سزاؤں کا طریقہ دوسرے ملکوں سے بالکل مختلف ہے۔ اسی کے ساتھ میں پورے اعتماد سے یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ اس ملک میں قدیم (شرعی) سزاؤں کے طریقے کی بدولت جو اسلامی قوانین کے مطابق ہیں جرائم بہت کم ہوتے ہیں اور یہ بات بھی بڑی حد تک درست ہے کہ یہاں انصاف دوسرے ممالک کی طرح مہنگا نہیں ہے اور نہ میرے علم میں کوئی ایسا واقعہ آیا کہ کوئی باثر ملزم اپنی دولت کے بل بوتے پر سزا سے بچ گیا ہو۔ ترقی یافتہ ممالک میں دولت مند اشخاص قابل وکلاء کی مدد سے قانون کو بے اثر بنا دیتے ہیں اور اکثر بے گناہ قابل وکلاء کی خدمات حاصل نہ کرنے کی وجہ سے آہنی سلاخوں کے پیچھے پہنچ جاتے ہیں "

ملاحظہ فرمایا آپ نے ! یہ اظہارِ خیال ایک اور بڑی حقیقت کو ہمارے سامنے نمایاں کر رہا ہے اور وہ ہے خدا کے بنائے ہوئے قانون کی افضلیت اور انسانوں کے بنائے ہوئے قانون کی بنیادی کمزوری اور لاچاری

ایم پی سرکار کی جانب سے واحد پریمی کو وظیفہ

ہمیں مصدقہ ذرائع سے اطلاع ملی ہے کہ ایم پی سرکار نے جناب واحد پریمی کو تاعمر وظیفہ دیئے جانے کا فیصلہ کیا ہے۔ واحد پریمی بھوپال کے باوقار شاعر اور ملک کے نامور اہلِ قلم ہیں۔ تقریباً تیس سال سے اردو ادب کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ کئی کتب نثر و نظم کے خالق ہیں لیکن اب تک صرف مجموعۂ غزلیات "گلِ نو" شائع ہو سکا ہے۔ باقی کتب قلمی نسخوں کی شکل میں موجود ہیں۔ کاش حکومتِ مدھیہ پردیش اس طرف بھی توجہ دے اور واحد پریمی جیسے مستحق شاعر کے قلمی نسخوں کو جلد شائع کرانے کا معقول انتظام کرے۔

ہم بہر حال الحسنات کے پرانے قلمکار جناب واحد پریمی کو اس اعزاز پر دلی مبارکباد دیتے ہیں۔

ابوصالح فلاحی

مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمۃ کے
مختصر حالاتِ زندگی آپ پچھلے شمارہ میں پڑھ چکے ہیں
ب اس مضمون میں مختصر انداز سے مولانا کی دینی خدمات
کا ذکر ہوگا۔ مولانا روم کو اپنی زندگی میں بھی خدمتِ
دین کا بہت زیادہ موقع ملا اور اللہ تعالیٰ نے عزت
ور مقبولیت سے نوازا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کے
لم وفضل اور ان کی صلاحیت سے جتنا وسیع فائدہ
گوں نے ان کی وفات کے بعد اُٹھایا اتنا خود
ن کی زندگی میں حاصل نہ ہو سکا۔ اس کی مختلف
ہیں ہو سکتی ہیں۔ مگر ان کی تفصیل میں جانے کا یہاں
قع نہیں ہے۔ البتہ یہ کہہ دینا ضروری ہے کہ مولانا
وفات کے بعد بھی انہیں یاد رکھنے پر لوگوں کو جس
نے مجبور کیا وہ دراصل مولانا کی اصلاحی خدمات
تھیں۔ مولانا نے اپنی تقریروں اور تحریروں کے
ذریعہ مسلمانوں کے ایک گہرے جمود سے بیدار کرنے
کی جو کوشش کی تھی وہ کوئی معمولی احسان نہ تھا پھر
اس کے بعد وہ ایسا علمی سرمایہ چھوڑ کر رخصت ہوئے
تھے جو برسوں بلکہ صدیوں تک کے لوگوں کے لئے
غور وفکر اور رہنمائی کا کافی سامان تھا اور سب
جانتے ہیں کہ اسی طرح صدیوں تک بڑے بڑے
عالموں اور ادیبوں نے اس علمی سرمایہ سے کماحقہ
فائدہ اُٹھایا ہے۔

باقیاتِ رومی ۔ مولانا رومی کی تصنیفات کی
تعداد کوئی زیادہ نہیں ہے جیسا کہ عام فلسفی مصنفین

تصانیف کی کثرت نظر آتی ہے۔ "مثنوی" اور "دیوان" فارسی زبان میں مولانا کی دو ضخیم شعری تصنیفات ہیں۔ ان دو کتابوں کے علاوہ ایک کتابچہ بھی مولانا کی طرف منسوب ہے جو نثر میں ہے۔ اس کتابچہ میں اس وقت کے خاص حکایاتی انداز پر بہت سی حکمت اور نصیحت کی باتیں بیان کی گئی ہیں۔ یہ حکایاتی انداز اُس زمانہ میں عام تھا۔ اس دَور کی بیشتر تصنیفات جو اچھی اور اونچے درجہ کی مانی جاتی ہیں اسی اندازِ تحریر پر مشتمل نظر آتی ہیں۔ خواہ ان کا موضوع کوئی بھی ہو اور منظوم تصنیفات ہوں یا نثری لیکن اس عام اندازِ تحریر کو اختیار کرنے کے باوجود موضوع اور طریقۂ تعبیر کے لحاظ سے مولانا کے یہاں ایک اچھوتا پن محسوس ہوتا ہے۔ یہ بات اس کتابچہ میں بھی ہے۔ یہ کتابچہ اب نایاب ہے اور اس کے چند نسخے صرف استنبول کی لائبریری میں پائے جاتے ہیں۔

مولانا کا کارنامہ۔ مولانا جلال الدین رومی عام شاعروں کی طرح محض ایک شاعر نہیں تھے اور نہ شعر گوئی ان کا مشغلہ تھا بلکہ ان کی شاعری بہت حد تک اس جذبۂ عشق کی دین تھی جو شروع سے ہی ان کے اندر موجود تھا۔ عشقِ الٰہی کی جڑیں ان کے دل و دماغ میں بہت استوار تھیں اور برابر ان میں پختگی آتی گئی تھی۔ دیوان کے اشعار میں جو کہ مثنوی سے پہلے کا مجموعہ ہے۔ ان کیفیات کی پوری جھلک ملتی ہے، پھر جب مولانا کو شمس تبریزی علیہ الرحمۃ کی صحبت حاصل ہوئی تو اس زمانے میں عشقِ الٰہی کے جذبات میں اور بھی اضافہ ہوا اور خدا سے عشق کے تقاضوں کو سمجھنے میں جن پہلوؤں سے کمی رہ گئی تھی وہ ختم ہوئی اور اس کے بعد وہ محض درس و تدریس یا فتویٰ نویسی میں مشغول رہنے والے روایتی عالم نہ رہ سکے۔ اسی دَور میں انہوں نے جو ذرا غور سے اُمت کے علماء اور عام مسلمانوں کی طرف نگاہ ڈالی تو ایک عجیب مایوس کن منظر سامنے آیا۔ فکر و عمل کا سارا میدان غلط قسم کے خیالات سے پٹ چکا تھا اور ایک مدت سے امت کا ذہین طبقہ ایک غلط رُخ پر اپنی صلاحیتیں ضائع کرتا آرہا تھا ان حالات کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے تھوڑی سی وضاحت کردی جائے تو بے جا نہ ہوگی۔

ساتویں صدی ہجری میں پورے عالمِ اسلام کے اندر ایک علمی اور فکری بحران موجود تھا۔ اسلامی تعلیمات پر یکسوئی سے عمل اور دین کی تبلیغ سے زیادہ دین کی باریک باریک باتوں

پر بحث و مباحثہ کو اہمیت دے دی گئی تھی! اسلامی عقائد سے متعلق بہت سی باتیں جو انسانی عقل کی گرفت میں نہیں آسکتیں اور انہیں حق سمجھ کر ہی ان پر یقین رکھنا ضروری ہے۔ ایسی باتوں پر عقلی قیاسات اور دلائل گھڑے جاتے تھے، اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، آخرت اور معاد کی حقیقت، معجزات کی حقیقت اور اس طرح کے بے شمار مسائل تھے جن پر ایک عقیدہ کی حیثیت سے یقین رکھنے کے بجائے انہیں عقلی موشگافیوں کا موضوع بنالیا گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ چیزیں ایسی نہیں ہیں کہ جن کی اصل حقیقت کو اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر کوئی انسانی عقل جان سکے۔ اور جب بھی انہیں کریدنے اور ان کی حقیقت جاننے کی کوشش کی جائے گی تو اس کا ایک ہی راستہ باقی رہ جاتا ہے کہ ہر شخص اپنی اپنی عقل کے مطابق قیاسی اور مفروضہ دلائل گھڑے، پھر اس کوشش کا نتیجہ اتنا ہی نہیں ہوتا ہے کہ لوگوں کے علم و فکر اور عقل کا بے جا استعمال ہوتا ہے بلکہ اس کا نتیجہ یہ بھی ہوتا ہے کہ لوگوں کے قیاسات آپس میں ٹکراتے ہیں اور بے شمار مکاتب فکر وجود میں آجاتے ہیں۔ باہمی بحث و مباحثہ اور عقلی جنگ کا پورا میدان تیار ہوجاتا ہے اور اصل مسئلہ ایک چیستاں ایک تماشا بن کر رہ جاتا ہے جس سے دوسرے لوگوں کے اندر اس کے بارے میں کوئی پختہ یقین تو کیا پیدا ہوسکے گا الٹے دماغ کے اندر پیچ در پیچ گرہیں پڑتی چلی جاتی ہیں۔

اس دور میں اسلامی عقائد کے بارے میں ایسا ہی سخت بحران تھا۔ اس بحران کا اصل سبب یہ تھا کہ امت کے اندر بہ شدید قسم کی عقل پرستی گھس آئی تھی عقل کو اس قدر آزادی دے دی گئی تھی کہ وہ اپنی حدود سے آگے بڑھ کر خدا کی ذات و صفات اور دوسرے نازک مسائل میں آزادانہ بحث کرسکے، اسی طرح ظاہری حالات و کیفیات کو اتنی اہمیت دے دی گئی تھی کہ نظر سے اوجھل اور اخروی حالات کے ثبوت کے لئے ظاہری حالات کی تائید ضروری سمجھ لی گئی تھی۔ حد تو یہ ہے کہ علماء کا پورا طبقہ تقریباً قیاس اور عقلی استدلال میں گرفتار ہوچکا تھا۔ کوئی بات کسی چیز کی حقیقت، کسی چیز کا وجود عقلی استدلال کے بغیر قابل قبول نہیں سمجھا جاتا تھا۔ جب لوگوں کے اندر اس قسم کی عقل پرستی گھس آتی ہے تو فکر و عمل کی دنیا میں جیسی تباہی برپا ہوتی ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے ویسی ہی خرابی مسلم علماء اور ذہین طبقہ میں پیدا ہوتی جارہی تھی۔

اس صورتِ حال کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ اُمت اندرونی لحاظ سے بھی دوہرے جمود کا شکار ہوگئی۔ بیرونی لحاظ سے جو جمود تھا وہ یہ کہ اسلام کی تبلیغ اور اقامتِ دین کے اولین فریضہ کی طرف سے توجہ بالکل ختم ہوتی جارہی تھی، جس طرح اندرونی خلفشار اور خانہ جنگی کا شکار کوئی ملک اس بات کی اہمیت نہیں رکھتا کہ بیرونی لحاظ سے اپنے اثر ورسوخ میں اضافہ کر سکے یا مزید فتوحات کا دائرہ بڑھا سکے، ٹھیک اسی طرح امت کے اندر جب عقائد اور خیالات کی دنیا میں خانہ جنگی پیدا ہو جائے تو اس کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا نکل سکتا ہے کہ حلقۂ اسلام سے باہر کے لوگوں کی طرف سے توجہ ہٹتی چلی جائے جبکہ اقامتِ دین جیسا عظیم الشان فریضہ انجام دینے کے لئے فکری لحاظ سے پوری امت کا اتحاد اور یکسوئی ضروری ہے اور اتنی بات تو کم از کم یقینی ہے کہ دین کے عقائد اور کلیات کے بارے میں اُمت کے علماء کے درمیان اتفاق ہونا چاہیئے یہ ایک حقیقت ہے کہ شیطان اسلام کا بدترین دشمن ہے اور اس نے ہمیشہ اقامتِ دین کی راہ میں نت نئی رکاوٹیں کھڑی کی ہیں لیکن اس مقصد کے لئے اس نے جس تدبیر کو ہمیشہ آزمایا اور نہایت کامیاب پایا ہے وہ یہی کہ اُمت کے اندر دین کے عقائد کو زیرِ بحث لاکر آپس میں اس قدر الجھا دے کہ پھر کسی اور طرف توجہ کرنے کی فرصت ہی نہ مل سکے۔

اس بیرونی کمزوری کے ساتھ ساتھ اندرونی لحاظ سے جو جمود طاری ہوا وہ بھی بالکل واضح ہے۔ پوری امت کے اندر فکر و عمل کے میدان میں سخت سطحیت پیدا ہو چکی تھی۔ ایسی باتیں جو انسانی عقل کی گرفت میں نہیں آسکتیں ان پر بحث کی عادت لگ جانے کی وجہ سے دل کا اعتقاد اور اطمینان متاثر ہو رہا تھا۔ لوگوں نے جب خدا کی ذات و صفات، قیامت کی اصل کیفیات اور نظر سے اوجھل چیزوں کو اپنے ظاہری حواس اور دنیوی ذرائع سے متعین طور پر سمجھ لینے کی کوشش کی تو اس کا نتیجہ صرف اتنا ہی نہیں ہوا کہ اصل حقیقت تک پہنچنے کے بجائے مختلف رائیں اور قیاسات آپس میں ٹکرا گئے بلکہ اس کا نتیجہ یہ بھی ہوا کہ خود دین کے پیروؤں کے اندر دین پر عمل کرنے کے لئے جس جوش و خروش کی ضرورت تھی اس میں زبردست حد تک کمی آگئی۔ دماغوں کے اندر طرح طرح کی پیچ در پیچ گرہیں پڑنے لگیں اور رفتہ رفتہ حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ لوگوں کے اندر دین کے بنیادی حقائق کے بارے میں شک و شبہ بلکہ انکار و نفی کا رجحان

پیر رومی

پیدا ہونے لگا، غرض یہ کہ پورا عالم اسلام ایک "مدرسہ" کی صورت اختیار کر چکا تھا جس میں فلسفیانہ موشگافیوں اور عقلی جولانیوں کی تو بہتات تھی مگر تھی لگرامت کا وہ عظیم سرمایہ جسے ایمان ویقین کی حرارت، دین سے فدویانہ محبت اور اسلامی احکام کی مخلصانہ تعمیل کہتے ہیں چند حلقوں کو چھوڑ کر تقریباً ہر جگہ ناپید تھا۔

یہ اندرونی اور بیرونی جمود جو ایک مدت سے عالم اسلام کے اندر پایا جا رہا تھا۔ اس صورت حال میں سختی سے اس بات کی ضرورت تھی کہ کوئی زندہ دل پیدا ہو اور حالات کو ایک نئے رُخ پر ڈال دے۔ ان حالات میں کسی فلسفی کی ضرورت نہیں تھی جو اپنے فلسفہ اور منطق کے زور سے لوگوں کو کسی ایک فارمولے کے آگے جھکنے پر مجبور کر دے بلکہ کسی ایسے شخص کی ضرورت تھی جس کا دل ایمان ویقین کے نور سے روشن ہو جو عقل معرکہ آرائی اور استدلال کے مقابلہ میں خدا سے عشق اور کلمہ لا الٰہ پر پختہ یقین رکھتا ہو جو دین کی ہر بات اور ہر عقیدہ کو اس نقطۂ نظر سے دیکھتا ہو کہ وہ اس میں سے عمل اور پیروی کے تقاضے سمجھ سکے۔ جو خود دین کے ساتھ اخلاص کا بے پناہ جذبہ رکھتا ہو اور ساتھ ہی اس بات کی قدرت رکھتا ہو کہ دوسروں کے دماغوں کی اُلجھنوں کو دور کر سکے اور دل کے اندر ایمان ویقین کو پختہ بنا سکے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مقصد کے لئے ساتویں صدی ہجری میں مولانا جلال الدین رومی کو پیدا فرمایا اور سچ تو یہ ہے کہ مولانا نے وقت کے اس تقاضے کو اچھی طرح سمجھا اور اس کے لئے نہایت کامیاب طریقہ پر اپنی صلاحیتوں کو استعمال کیا۔

یہ مولانا کی خوش قسمتی تھی کہ انہیں شروع ہی سے ایسا ماحول اور حالات سے واسطہ پڑا کہ وہ بڑی گہرائی کے ساتھ ان تمام علوم کا مطالعہ کر سکے جو اس وقت رائج تھے اور ان حالات کو سمجھ سکے جنہوں نے پورے عالم اسلام میں ایک متشکک ذہنیت پیدا کر رکھی تھی۔ زندگی کے لمحات جس جس طرح گزرتے رہے مولانا کے احساسات اتنے ہی تلخ ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ اس وقت کے موجود طرزِ فکر کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے پر مجبور ہو گئے۔ یہ صدائے احتجاج مولانا کی مشہور تصنیف "مثنوی" کی صورت میں ظاہر ہوئی۔

• مثنوی کے اندر مولانا نے مذہب کے ان تمام اصول وعقائد کو دل نشین اور سادہ انداز میں سمجھا دیا

ہے جنہیں لوگوں کے فلسفیانہ انداز نے معمہ بنا کر رکھ دیا تھا۔ مولانا نے مثنوی کے اندر نہ صرف یہ کہ ان شبہات اور الجھنوں کو دور کیا ہے جو دین کے بہت سے مسائل کے بارے میں لوگوں کے اندر پیدا ہو گئی تھیں اور انہیں سمجھانے کے لئے فطری دلائل، روزمرہ کے مشاہدات اور زندگی کی حقیقتوں کو ذریعہ بنایا ہے تا کہ یہ سارے مسائل محض خشک عقلی بحثوں کا موضوع بننے کے بجائے زندگی کا جزو بنتے چلے جائیں گویا ایک طرف تو دین سے گہری محبت اور ایمان ویقین کی سچی حرارت تھی اور دوسری طرف مسلمانوں کے زوال پسند خیالات اور طور طریق کی اصلاح کا بے پناہ جذبہ ان دونوں نے ایک قوت مولانا کے اندر ایک زبردست تحریک پیدا کر دی۔

مثنوی کو اپنے زمانۂ تصنیف کے بعد سے اب تک عالم اسلام میں جو بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی ہے اس میں اس کے پیش کردہ مواد کے علاوہ خود مصنف کا مخلصانہ جذبۂ اصلاح اور حقیقی دردمندی بھی ایک اہم سبب کے طور پر شاملِ حال معلوم ہوتی ہے۔ خاص طور سے اس کتاب کا دل نشیں اندازِ بیان، دل کش تعبیرات، برمحل مثالیں اور اس کی قوتِ تاثیر ہر حال میں اپنے مصنف کی قلبی کیفیات کا پتہ دیتی ہیں۔

مثنوی کے اثرات۔ جہاں تک مثنوی کے اثرات کا تعلق ہے تو یہ کہنا چاہیئے کہ مثنوی نے کم و بیش تمام علمی و ادبی حلقوں کو متاثر کیا ہے۔ خاص طور سے عالم اسلام پر اس کے بڑے گہرے اور دیرپا اثرات ہیں۔ اوّل تو وہ اہم ترین موضوع جو مثنوی میں موجود ہے۔ دوسرے وہ سلجھا ہوا اور دل نشیں انداز بیان جو پوری کتاب میں بالکل نمایاں ہے۔ ان دونوں نے مل کر اس کتاب کی دو گونہ اہمیت پیدا کر دی ہے۔ اس سے نہ صرف یہ کہ مذہبی تعلیمات کے اسرار و رموز سے واقفیت ہوتی ہے، بلکہ علمی، عقلی اور ادبی ذوق کے لئے بھی خاطر خواہ سامانِ ضیافت یہاں موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج چھ صدیوں سے زائد عرصہ گذر جانے کے باوجود عالم اسلام کا ہر علمی و ادبی حلقہ اسے سینہ سے لگائے ہوئے ہے اور اس کتاب کے مختلف زبانوں میں ترجمے بھی کئے جا چکے ہیں۔ عالم اسلام نے اس کتاب سے جو وقتاً فوقتاً استفادے کئے ہیں، ان کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے۔ اختصار کی غرض سے ہم یہاں مولانا ابوالحسن علی ندوی کے ایک اقتباس پر اکتفا کرتے ہیں جس سے اس کتاب کی اہمیت کا ایک نقشہ

ضرور بہ سامنے آجائے گا۔

" اسلامی ادب میں ایسی شاذ و نادر
کتابیں ملیں گی جنہوں نے عالم اسلام
کے اتنے وسیع حلقہ کو اتنی مدت تک
متاثر رکھا ہے۔ چھ صدیوں سے مسلسل
دنیائے اسلام کے عقلی، علمی، ادبی حلقے
اس کے نغموں سے گونج رہے ہیں اور
وہ دماغ کو نئی روشنی اور دلوں کو نئی
حرارت بخش رہی ہے۔ اس سے ہر
دور میں شاعروں کو نئے مضامین،
نئی زبان، نیا اسلوب ملتا رہا اور وہ
ان کے نوائے فکر اور ادبی صلاحیتوں
کو ابھارتی رہی، معلمین و متکلمین کو اپنے
زمانہ کے سوالات و شبہات کو حل کرنے
کے لئے اس سے نئے نئے دلائل،
دلنشیں مثالیں، دلآویز حکایتیں اور
جواب کی نئی نئی راہیں ملتی رہیں اور
وہ اس کے سہارے اپنے زمانے
کی بے چین طبیعتوں اور ذہین نوجوانوں
کو مطمئن کرتے رہے۔"

(تاریخ دعوت و عزیمت صفحہ ۳۶۸ ج ۱)

جیسا کہ ہم پہلے واضح کر چکے کہ مولانا جلال الدین
رومی کا اصل مشن، اس جمود، مادیت اور حسیت کے
خلاف آواز بلند کرنا تھا جس کے اثرات عالم اسلام
کے اندر مسلسل پیدا ہوتے جا رہے تھے۔ ظاہر ہے
کہ یہ کوئی وقتی اور عارضی مسئلہ نہیں تھا بلکہ یہ ایک
نہایت اہم مسئلہ تھا جو ہر اس دور میں پیدا ہوا ہے
جب مسلمانوں کی نظر دین کی طرف سے ہٹنے لگی ہے۔
بیسویں صدی بھی اس لحاظ سے ایسا ہی پُر آشوب
دور ہے جس میں مسلمانوں پر ایک نئے طرز سے مادیت
اور حسیت کی کیفیتیں طاری ہوئیں، مغربی تہذیب کے
افکار اور فلسفوں نے عموماً مذہب پسند طبقوں کے
اندر شدید خلجان اور بے اعتقادی کی کیفیت پیدا
کر دی جس کے اثرات مسلمانوں کے اندر بھی بہت واضح
تھے۔ اس دور میں پھر کسی رومی ہی کی ضرورت تھی جو
عقلی بتوں کے پردے چاک کرتا۔ گو کہ کوئی رومی نہ
پیدا ہوا، مگر رومی کی مثنوی نے اس وقت وہ عظیم
کردار ادا کیا جو کسی طرح بھی عقائد کی پرانی پرانی کتابوں
اور پرانے فلسفوں کے بس کا روگ نہ تھا۔ کتنے ذہین
مسلم نوجوان اور با صلاحیت افراد جو مغرب کی پھیلائی
ہوئی مادیت سے متاثر ہو کر دین سے بیزار یا الحاد کے
قریب ہو چکے تھے اس مثنوی کے نتیجہ میں دوبارہ سنبھلے

اور دین سے قریب ہوتے گئے اس حقیقت کا ایک نہایت بیّن ثبوت بیسویں صدی کے مایۂ ناز مسلمان مفکر ڈاکٹر سر محمد اقبال علیہ الرحمۃ کی زندگی ہے۔ کون نہیں جانتا کہ علامہ اقبال نے نہایت بڑے پیمانہ پر مولانا رومی کے کلام اور ان کی دعوت سے استفادہ کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے کلام میں بے شمار جگہوں پر مولانا روم کے ساتھ عقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔

یہ تھیں، مولانا جلال الدین رومی کی خدمات اور عالم اسلام میں ان کی اہمیت کا مختصر تذکرہ۔ یہاں ان اعتراضات کے متعلق کچھ لکھنا زیادہ مناسب نہیں معلوم ہوتا جو مولانا کے بعض خیالات کے بارے میں کئے جاتے ہیں۔ خاص طور سے ان اعتراضات کا ہدف تصوّف کا وہ طریقہ ہے جو مولویّت کے نام سے مولانا کی طرف منسوب ہے۔ اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ تازہ رہنی چاہیئے کہ مولانا جلال الدین رومی بہت کچھ ہو کر بھی ایک انسان تھے اور یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ہے اگر بشری کمزوری کے تحت ان سے کچھ فکری غلطیاں ہوگئی ہوں لیکن یہ غلطیاں بہرحال اتنی غیر معمولی بھی نہیں ہیں کہ ان کے مقابلہ میں ان کی علمی اور اصلاحی خدمات پر کوئی زد پڑتی ہو۔ ان کی بشری کمزوریوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے ان کے کارناموں اور خدمات کی بہرحال قدر کرنی پڑیگی۔

دوسری بات یہ ہے کہ ان کی طرف جو متعدد قسم کے خیالات منسوب کئے جاتے ہیں وہ بہت حد تک ان کے شاگردوں کی کم فہمی کا نتیجہ معلوم ہوتے ہیں۔ یہ عین ممکن ہے کہ شاگردوں نے مولانا کی باتوں کا کوئی دوسرا مفہوم لے لیا ہو اور رفتہ رفتہ یہ مفہوم مولانا کے افکار کا جزو بن گیا ہو، اس غلط فہمی کا بہت بڑا سبب یہ ہے کہ کچھ لوگوں نے صرف مولانا کے الفاظ اور ظاہری مفہوم پر نظر رکھی اور اس اصل فکر تک نہیں پہنچ سکے جو اصلاً مولانا نے اپنے اشعار میں پیش کی ہے۔ اور جس کے بیان کے لئے عام طور سے مثالوں استعاروں اور کنایوں کا رنگ اختیار کیا ہے۔

یہ ناچتی گاتی ہوئی اس دَور کی تہذیب
کیا جانئے کس کرب کا اظہار کرے ہے

دُنیا کا یہ انداز سمجھ میں نہیں آتا
دیکھے نہ ہے حقارت سے کبھی پیار کرے ہے

حفیظ میرٹھی

گردے کے امراض

ڈاکٹر سید محمد

انسانی جسم پورے کا پورا ایک اکائی ہے جسم کے ایک حصہ میں تکلیف ہو تو سارے اجزاء درد محسوس کرتے ہیں۔ اسی طرح دل، شریانوں اور گردوں میں ایک ربط ہے۔ ان میں سے ایک میں کوئی شکایت پیدا ہو جائے تو دوسرے دو اعضا بھی تکلیف میں پڑ جاتے ہیں۔ مثلاً گردے کی بیماری سے خون کا دباؤ بڑھ جاتا ہے۔ اس سے دل اور شریانوں کو سخت نقصان پہنچتا ہے۔ اگر اسی طرح شریانوں میں تکلیف ہو جائے تو دل اور گردہ کو تکلیف ہوتی ہے بالکل اسی طرح دل کی بیماریوں سے شریانے اور گردے بیکار ہو جاتے ہیں۔

اس لئے اگر ایک آدمی کو دل، شریانوں یا گردوں میں سے کسی ایک عضو کی شکایت ہو تو اُسے تینوں اعضاء کا طبی معائنہ کرانا چاہیئے۔ مغربی ڈاکٹر ہمیشہ ایسا ہی کرتے ہیں لیکن ہمارے یہاں ڈاکٹر اتنے محتاط ہیں اور نہ اتنی طبی سہولتیں مُہیا ہیں۔ اس لئے اس سلسلے میں بڑی بے قاعدگی ہوتی ہے۔ مغرب میں ہر شخص سال میں ایک مرتبہ ضرور اپنا پورا طبی چیک اَپ کراتا ہے تاکہ جسم میں کوئی مرض سر اُبھار رہا ہو تو اس کا اندازہ ہو جائے اور مرض شروع ہونے سے پہلے اس کو روکا جا سکے۔

مغربی ممالک میں ڈاکٹروں نے گردے کی بیماریوں پر کافی تحقیق کی ہے اس سے معلوم ہوا ہے کہ گردے کی معمولی تکلیف کو بھی نظر انداز کر دینا موت کو دعوت دینا ہے۔ یوں تو موت اللہ کے ہاتھ میں ہے اور اپنے مقررہ

وقت پر آئے گی لیکن آدمی اپنی غفلت سے مرے تو یہ تکلیف کی بات ہے۔

نیچے کی سطروں میں ہم گردوں۔ کے سلسلے میں مغربی تحقیقات کا ایک نچوڑ پیش کر رہے ہیں۔

اگر آپ ایک عام کمزوری محسوس کر رہے ہوں جلدی اور تھوڑی محنت سے تھک جاتے ہوں آپ کو بار بار پیشاب آتا ہو اور رات میں پیشاب کے لئے بار بار اُٹھنا پڑتا ہو ۔۔۔ تو یہ گردے کی تکلیف کی علا ہیں اور آپ کو ایک باقاعدہ میڈیکل چیک اپ اور قاعدہ علاج کرانے کی ضرورت ہے۔ اس سلسلہ میں اپنے دوستوں کے مشورے سے پیٹنٹ دوائیں استعمال کرنا اچھا نہیں ہوتا۔ ہمیشہ ڈاکٹر سے مشورہ کیجئے۔ اور اگر خدانخواستہ آپ گردے کی تکلیف میں مبتلا ہیں تو صبر و تحمل سے باقاعدہ علاج کیجئے۔

گردے کی ایک بیماری نیفرائٹس NEPHRITIS کہلاتی ہے۔ یہ ایک عام بیماری ہے۔ اس کے سلسلے میں اشتہاری دواؤں کی کمی نہیں لیکن ڈاکٹر کے مشورے کے بغیر کسی دوا کا استعمال کرنا اس لئے اچھا نہیں ہوتا کہ ڈاکٹر پہلے آپ کا چیک۔ اپ کر کے مخصوص مرض کا پتہ لگائے گا۔ اور پھر کوئی مناسب حال دوا تجویز کرے گا۔ اشتہاری دواؤں کے استعمال سے عموماً نقصان ہو جاتا ہے۔ بہر حال نیفرائٹس کے مرض میں پیشاب بدبودار آتا ہے کبھی اُس میں خون کی ملاوٹ نظر آتی ہے۔ اُس کے بعد آنکھوں پر ایک قسم کی سوجن سی آنے لگتی ہے اور گلا، کان اور جسم کی جلد بھی متاثر ہونے لگتی ہیں۔ چہرے پر پیلا پن آجاتا ہے اور طبیعت گری گری سی رہنے لگتی ہے۔ ایسی کیفیت ہو تو خون کا ٹسٹ کرا کے علاج شروع کر دینا چاہیئے، اور آرام زیادہ کرنا چاہیئے۔ اور صحت پانے کے بعد بھی کبھی کبھی ٹسٹ کراتے رہنا چاہیئے۔ اگر آپریشن یا دانت نکلوانے کی ضرورت پڑے تو ڈاکٹر کو اپنے گردے کی مریضی کی تاریخ ضرور بتا دینا چاہیئے۔ ہو سکتا ہے کہ اس سے معالج کو علاج میں مدد ملے۔

آج کل بیکار گردوں کی جگہ مصنوعی گردے لگانے کا طریقہ بھی عام ہو گیا ہے۔ مصنوعی گردہ دراصل ایک قسم کی مشین ہے جو گردہ کا کام کرتی ہے۔ اور کئی سال تک کام دیتی رہتی ہے۔ ابھی حال میں ہمارے ملک کے ایک مشہور سروودے لیڈر جے پی کا گردہ بیکار ہو گیا تھا۔ ان کے علاج میں اسی مصنوعی گردے سے کام لیا گیا مگر یہ علاج بہت مہنگا ہے۔ ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ چند سال ہوئے کہ مولانا مودودی کا ایک گردہ بیکار ہو گیا تھا۔ تو اُس گردے کو نکال دیا گیا تھا

اس سے ان کے گردے پر بوجھ زیادہ پڑ گیا تھا۔ اس لئے چند ہی سال بعد انھیں پھر علاج کے لئے امریکہ جانا پڑا۔

گردے کے مریضوں کے لئے مصنوعی گردے سے زیادہ سستا طریقہ ہے "گردے کا گرافٹنگ" اس کا مطلب یہ ہے کہ ناکارہ گردے کی جگہ ایک اچھا گردہ لگا دیا جائے۔ مگر وقت پر کارآمد گردے کا ملنا بھی تو ایک مسئلہ ہے۔ ایک اور مشکل ہے۔ وہ یہ کہ گردہ مریض کے جسم کی ساخت سے مطابقت رکھنے والا ہو' عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ مریض کا جسم اپنے ہی خاندان کے لوگوں تک کے گردے قبول نہیں کر پاتا۔

بہر حال یہ ایک ضمنی بات تھی جو نیفرائٹس کے ذکر کے ساتھ آگئی۔

حقیقت یہ ہے کہ ابھی تک نیفرائٹس کے حتمی علاج کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔

نیفروسس (NEPHROSIS) بھی نیفرائٹس سے ہی ملتا جلتا ایک مرض ہے۔ اس مرض میں نیفرائٹس کی علامتوں کے ساتھ ساتھ ایک خاص علامت یہ ہوتی ہے کہ آدمی کی آنکھوں کے پپوٹوں کے علاوہ مریض کا چہرہ اور پیٹ بھی سوج جاتا ہے مگر اس کا علاج نسبتاً آسان ہے۔ مریض نمک کا استعمال کم سے کم کر دے' اور غذا میں گوشت اور نشاستے دار اجزا کی کثرت سے معالج کا ہاتھ بٹا سکتا ہے۔ لیکن اس مرض میں ایک خاص بات یہ ہے کہ ہر مریض کے انفرادی مزاج کا بڑا دخل ہوتا ہے۔

سسٹائٹس (SYSTITUS) اور پیلو نیفرائٹس (PYELONEPHRITIS) ایسے مرض ہیں جو اکثر ہوتے رہتے ہیں۔ ان میں سسٹائٹس سرطان اور گردوں کی پتھری کی وجہ سے ہوتا ہے اور اس میں آپریشن سب سے اچھا رہتا ہے۔ پیلونیفرائٹس مرض میں پیشاب گاڑھا ہو جاتا ہے اور خون کا دباؤ بڑھ جاتا ہے اسی سسٹائٹس کی ایک قسم ہے 'پیلو سسٹک'۔ اس میں یہ ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کے گردوں میں پیدائشی طور پر رطوبت کی ننھی ننھی تھیلیاں رہتی ہیں۔ ان میں خرابی پیدا ہو جائے تو پیلوسسٹک ہو جاتا ہے۔

حال ہی میں گردوں کی بیماریوں پر اور بھی تحقیق ہوئی ہے۔

بہر نوع یہ بات ہر شخص کو جاننی چاہیے کہ گردوں کی کارکردگی اور ہائی بلڈ پریشر کا گہرا تعلق ہے۔

پرنٹر پبلشر عبدالملک سلیم نے جے کے آفسیٹ پرنٹرس دہلی میں چھپوا کر ادارہ الحسنات رام پور سے شائع کیا۔

ہماری درسیات

ان تمام اردو اسکولوں اور مدرسوں کے لئے یہ اطلاع یقیناً خوش آئند ہو گی جن میں مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی کی درسیات رائج ہیں۔ تمام مطبوعات درسیات ہم سے مناسب تاجرانہ کمیشن پر طلب فرمائیں۔ اپنا گرانقدر آرڈر جلد دیں۔ کہیں ایسا نہ ہو بعد میں پچھتانا پڑے

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
ہماری کتاب قاعدہ نسخ	-/۷۰	اخلاقی کہانیاں اول	-/۷۰
〃 〃 〃 نستعلیق	-/۷۰	〃 〃 دوم	-/۷۰
〃 〃 اوّل	۱/-	〃 〃 سوم	۱/-
〃 〃 دوم	۱/۵۰	〃 〃 چہارم	۱/۲۵
〃 〃 سوم	۲/-	موتیوں کا ہار اوّل	-/۷۰
〃 〃 چہارم	۲/-	〃 〃 دوم	-/۷۰
〃 〃 پنجم	۲/۲۵	〃 〃 سوم	۱/-
〃 〃 ششم	۲/۷۵	〃 〃 چہارم	۱/۲۵
سچا دین اول	۲/-	ہماری دنیا اوّل	۱/۵۰
〃 دوم	۲/-	〃 〃 دوم	۲/-
〃 سوم	۲/۵۰	〃 〃 سوم	۲/۷۵
〃 چہارم	۲/۵۰	پیاری نظمیں اوّل	-/۶۰

پیاری نظمیں دوم	-/۶۰	ماڈل پرائمر	-/۱
عام معلومات اوّل	-/۱	اے۔بی۔سی	-/۱
" " دوم	۱/۵۰	جدید ریاضی اوّل	-/۲
" " سوم	-/۲	" " دوم	-/۲
" " چہارم	-/۲	آسان ریاضی سوم	-/۳
" " پنجم	۲/۲۵	" " چہارم	۳/۵۰
ہمارے ننھے اول	-/۷۵	" " پنجم	۳/۵۰
" " دوم	-/۷۵	ہماری پوتھی پرائمر	-/۱
آئینۂ تاریخ اوّل	-/۲	" " پہلا بھاگ	-/۱
" " دوم	-/۳	" " دوسرا "	-/۲
آسان کہانیاں	-/۷۰	" " تیسرا "	-/۲
منی کتاب	-/۱	سچا دین اوّل ہندی	۱/۵۰
قرآنی قاعدہ	-/۳۰	" دوم	۱/۵۰
ترقی چارٹ	-/۳۰	رجسٹر حاضری	-/۳
تعمیری ادب نثر	-/۵	" داخلہ	-/۳
" " نظم	-/۵	منہاج العربیہ اوّل	-/۱
معلوماتی کہانیاں	-/۵۰	" " دوم	-/۲
پیارے رسول	-/۷۵	" " سوم	[illegible]
ہادی اعظم اوّل	-/۷۵		
" " دوم	۱/۵۰		
آ۔ ای۔ اے	-/۱		

مکتبہ الحسنات رام پور ۲۴۴۹۰۱

قدیم مخطوطات، سکے اور دستاویزات وغیرہ کے بارے میں

مرکزی قانون کے تحت آپ کیا کریں؟

ملک کی پارلیمنٹ نے مخطوطات، سکوں، مجسموں، تصاویر، مصوری کے نمونوں، دستاویزات اور اسی طرح کی دوسری چیزوں کے لئے ایک مرکزی قانون اور اس کے رولز مرتب کر کے ۵ راپریل ۱۹۷۶ء سے اسے پورے ہندوستان (علاوہ سکم کے) پر نافذ کر دیا اس قانون کا نام انٹی کوٹیز اینڈ آرٹ ٹریزرس ایکٹ ہے اس ایکٹ کا نفاذ مرکزی حکومت کے غیر معمولی گزٹ نمبر ۱۳۵ مورخہ ۵ راپریل ۱۹۷۶ء کے ذریعہ سے کیا گیا ہے اور اسی [illegible] پابندی لازمی قرار دی گئی ہے۔ جن چیزوں پر اس ایکٹ کا اطلاق ہوتا ہے، ان کا ذکر ایکٹ کی دفعہ ۲ میں کیا گیا ہے۔ ایکٹ کے دائرہ کار میں آنے والے مخطوطات اور دیگر اشیاء کو انٹی کوٹی (ANTIQUITY) کا نام دیا گیا ہے۔ انٹی کوٹیز کی فہرست میں جو چیزیں اس وقت شامل ہیں ان میں اضافہ کے لئے مرکزی حکومت کو یہ اختیار بھی ہے کہ جب ضروری سمجھے مزید چیزوں کو بھی اس فہرست میں شامل کر دے۔ مذکورہ دفعہ ۲ کے مطابق فہرست فی الحال یہ ہے :-

دفعہ ۲ (۱) انٹی کوٹیز میں درج ذیل شامل ہوں گی:

(i) اہم سکے، مجسمے، پینٹنگس، کندہ تراشی کی اشیاء، آرٹ، کاریگری کے نمونے۔

(ii) کسی غار یا عمارت سے علیحدہ کی ہوئی چیز۔

(iii) اشیاء جو ماضی کے سائنس آرٹ، کاریگری، ادب، مذہب، رسم و رواج، اخلاقیات

سیاسیات سے متعلق ہوں یا اُن پر روشنی ڈالتی
ہوں۔
تاریخی دلچسپی کی حامل کوئی شے۔
دفعہ ۲ حصہ دوم ۔ مخطوطات، دستاویزات وغیرہ۔
اگر کوئی مخطوطہ دستاویزہ ۷۵ سال پہلے لکھا
گیا ہو تو وہ اس دفعہ میں آجاتا ہے۔

لائسنس اور رجسٹریشن کی پابندیاں

مذکورہ بالا اشیاء اور مخطوطات کے سلسلہ میں
یہ لازمی قرار دیا گیا ہے کہ ۵ رجون ۱۹۷۶ء کے بعد
ایسی کسی شے یا مخطوطہ کو اگر اُس نے لائسنس
حاصل نہیں کیا ہے، نہ خود فروخت کر سکے گا نہ کسی
اور کے ذریعہ فروخت کر سکے گا اور نہ فروخت کے
لئے اسے پیش ہی کر سکے گا۔ لائسنس کے لئے درخواست
دہندہ کو درخواست فارم نمبر ۱ پر دینا ہوگی، اُس کے
مطابق اُسے یہ بتانا ہوگا کہ اس کا شوروم یا دکان
کہاں ہے۔ گودام کہاں ہے یا اشیاء اور مخطوطات
کو کہاں رکھا جاتا ہے۔ مکان کا پورا پتہ۔ کتنے عرصہ
سے اس کاروبار سے متعلق ہیں کبھی ANTIQUITIES
سے متعلق سزا تو نہیں ہوئی یا کوئی انکوائری تو نہیں
ہوئی کسی رجسٹر میں ان کا مکمل اندراج کیا گیا ہے
اور یہ کہ ان کے بارے میں ضروری تفصیلات کیا
ہیں ۔ لائسنس مل جانے کے بعد نوادر کا پورا ریکارڈ
اور ان کے فوٹو گراف محکمہ میں داخل کرنا ہوں گے
یہ لائسنس ایکٹ کی دفعہ ۱۱ کے تحت منسوخ بھی کیا
جاسکتا ہے۔ لائسنس سے متعلق دفعات کی خلاف
ورزی پر ۶ ماہ کی سزا یا جرمانہ یا دونوں سزائیں
دی جاسکتی ہیں اور شے متعلقہ ضبط کی جاسکتی ہے۔

ایکٹ کے مطابق ۵ رجولائی ۱۹۷۶ء کے
بعد اگر کسی شخص کے پاس کوئی ایسی نادر شے بشمول
مخطوطہ ہو اور اس نے اس کا رجسٹریشن نہ کرایا ہو تو
اسے ایکٹ کی دفعہ ۲۵ کے تحت جُرم تصور کیا
جائے گا، جس کے لئے سزا ۶ ماہ یا جرمانہ یا دونوں
اور شے متعلقہ کی ضبطی شامل ہیں۔ شے متعلقہ یا مخطوطہ
کے مالک یا اس شخص کے لئے جس کا اس پر قبضہ ہو
رجسٹریشن کرانا لازمی ہے۔ یہ کام ۵ رجولائی ۱۹۷۶ء
سے پہلے کرالینا لازمی ہے۔ ایسے شخص کو حکومت
کے مقرر کردہ افسر کے پاس باضابطہ درخواست
دے کر رجسٹر کرائے بغیر شے یا مخطوطہ یا متعلقہ کو
رکھنے کا حق نہ ہوگا۔ بالفاظ دیگر ۵ [illegible]
سے پہلے رجسٹریشن کرالینا ضروری ہے۔ رجسٹریشن
کے لئے درخواست رولز میں دیئے ہوئے فارم
نمبر ۷ پر دی جائے گی۔ اس کے ساتھ کوئی کاپیاں

فوٹو کاپی لگانا ہوں گی جہاں سے اور جس طرح حاصل کیا ہے اس کا حوالا دینا ہوگا اور یہ بھی لکھنا ہوگا کہ شے متعلقہ یا مخطوطہ کہاں اور کس حالت میں ہے۔ درخواست میں ایسی معلومات بھی دینا ہوں گی جن سے شے متعلقہ یا مخطوطہ کی شناخت ہو سکے۔ درخواست ملنے پر افسر متعلقہ مناسب اور ضروری کارروائی کرے گا۔ اگر رجسٹر شدہ شے یا مخطوطہ بعد میں کسی کو منتقل کیا جائے تو اس کی اطلاع بھی رجسٹریشن کرانے والے افسر کو دی جائے گی۔

ایسے بڑے اداروں کے علاوہ جن کے پاس مخطوطات یا نوادر کے بہت بڑے ذخیرے ہوں دوسروں کے لئے جن کے پاس دو چار مخطوطے یا دوسری چیزیں ہوں، مطلوبہ تفاصیل جمع کرنا اور پھر سب کو درخواست کے لازمی مضمون کے مطابق منضبط کرکے لائسنس لینا یا رجسٹریشن کرانا تقریباً ناممکن ہوگا۔ علاوہ ازیں ایکٹ کے بموجب گورنمنٹ کسی مخطوطہ یا نوادر کو جب چاہے اپنی تحویل میں لے سکتی ہے۔

انڈین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز اور [illegible] آف میڈیسن اینڈ میڈیکل ریسرچ تغلق آباد، نئی دہلی نے طے کیا ہے کہ وہ اپنے مربیوں، سرپرستوں اور بہی خواہوں سے اس اپیل کے ذریعہ گذارش کریں کہ وہ اپنے نوادر یعنی سکے، مجسمے پینٹنگس، دستاویزات، اہم تاریخی خطوط اور اہم شخصیتوں سے متعلق اشیاء اور مخطوطات وغیرہ دونوں اداروں میں سے جسے چاہیں جلد از جلد مرحمت فرما دیں تاکہ وہ انہیں بھی وقت کے اندر اپنی درخواستوں میں شامل کرلیں جو وہ اپنے ایک بڑے عملہ سے تیار کرا رہے ہیں۔ ان دونوں اداروں کی عظیم الشان لائبریاں اور میوزیم تغلق آباد کے کیمپس میں قائم ہیں۔ انڈین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز کی زیر تکمیل لائبریری میں بیس لاکھ کتابوں کی گنجائش رکھی گئی ہے اور اس کا مائکروفلم ڈیپارٹمنٹ ہندوستان کا سب سے بڑا مائکروفلم ڈیپارٹمنٹ ہوگا، جس کی پلیننگ نیشنل آرکائیوز آف انڈیا کے ماہرین کے مشوروں سے ہوئی ہے اور صرف مائکروفلم کی تعداد کا نشانہ ایک لاکھ مقرر کیا گیا ہے جس میں دنیا بھر کی لائبریریوں اور عجائب خانوں میں محفوظ اسلامی مخطوطات کے مائکروفلم تغلق آباد میں جمع کئے جائیں گے۔ مائکروفلمنگ کی بہت سی مشینیں انسٹی ٹیوٹ میں آچکی ہیں۔ اس قانونِ نوادر کے نفاذ کی وجہ سے لائبریری اور میوزیم کے کئی شعبوں کو وسعت دی جا رہی ہے۔ اور ان میں مزید عملہ کا تقرر کیا جارہا ہے۔

ایسی اشیاء کے بھیجنے کے بارے میں آپ کو تردد کی ضرورت نہیں محصول ڈاک اور ریل انسٹی ٹیوٹ برداشت کریں گے۔

زیادہ وزن کی چیزیں آپ ہمدرد کی ایجنسیوں اور اسٹاکسٹوں کو جو ملک کے ہر مقام پر موجود ہیں باقاعدہ رسید لے کر حوالہ کر سکتے ہیں۔

ایسے تمام مخطوطات اور نوادر آپ کے نام سے انسٹی ٹیوٹ کے کتب خانوں اور میوزیم میں رکھے جائیں گے۔

ایکٹ اور رولز کی کاپیاں آپ کسی انسٹی ٹیوٹ کو خط لکھ کر منگا سکتے ہیں، اور ہر دو اداروں کی مزید تفصیلات بھی آپ کا خط ملنے پر آپ کو بھیج جائیں گی۔

(۱) انڈین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز تغلق آباد، نئی دہلی ۶۲

(۲) انسٹی ٹیوٹ آف ہسٹری آف میڈیسن اینڈ میڈیکل ریسرچ، تغلق آباد، نئی دہلی ۶۲

اوصاف علی
سکریٹری

نوٹ:۔ یہ مضمون الحسنات میں کچھ تاخیر سے شائع ہو رہا ہے اگر آپ کے پاس ایسی کوئی چیز ہے اور آپ ان دونوں پتوں میں سے کسی پر بھیجنا چاہتے ہیں تو براہِ راست خط و کتابت کریں۔ مدیر

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَہٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا غُفِرَ لَہٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ۔

"جس شخص نے ایمان کی حالت میں (آخرت کے) احتساب کے خوف سے روزے رکھے تو اللہ اس کے سارے پچھلے گناہوں کی مغفرت کر دے گا اور جس نے رمضان میں ایمان کی حالت میں (آخرت کے) احتساب کے خوف سے نماز (تراویح) پڑھی تو اللہ اس کے سارے پچھلے گناہوں کی مغفرت کر دے گا"

اس حدیث شریف کا مقصد یہ ہے کہ روزہ دار کو پورے شعور سے روزہ رکھنا چاہیئے۔ روزے کی اصل روح یہی شعور ہے کہ میں یہ روزہ اس لئے رکھ رہا ہوں یا رکھ رہی ہوں کہ مجھے قرآن کے نزول اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر اللہ کا شکر کرنا ہے اور اپنی زندگی کو قرآنی ہدایات پر قرآن کریم کے اصولوں کے مطابق چلنے کے لئے عزم و حوصلہ فراہم کرنا ہے۔ اللہ ہمیں اور آپ کو سب کو توفیق دے کہ ہم پورے شعور سے اس مہینے کے روزے رکھیں۔ آمین!

قدیم مخطوطات اسکے اور دستاویزات.....

بڑے سائز پر چھیانوے صفحہ کا یہ کتابچہ ورلڈ قرآن سوسائٹی (نان کمرشل) کی ایک حالیہ انگریزی اشاعت ہے۔ اس کے مولف سید امجد علی صاحب ہیں۔ اس میں اٹھارہ عنوانات پر قرآنی آیات کو زیبِ عنوان کرکے اسلامی نقطۂ نظر کی وضاحت کی گئی ہے۔

شروع میں سورۂ فاتحہ پوری کی پوری دی گئی ہے اور صحیح بھی ہے کیونکہ آدمی سورۂ فاتحہ کے الفاظ کی رُوح تک پہنچ جائے تو اُس کے دل و دماغ میں صراطِ مستقیم کی طلب پیدا ہوتی ہے۔ اور وہ قرآن کے سرچشمہ ہدایت کی طرف رجوع کرتا ہے۔

دوسرے سبق میں دین کی وحدت کے موضوع پر گفتگو کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ تمام انبیا علیہم السلام [illegible] دی ہے جس کی آخری اور مصدقہ شکل اسلام ہے۔ اس مضمون میں سورۂ بقرہ کے مضامین پر بھی ایک تبصرہ ہے۔

تیسرے سبق میں اُمتِ مسلمہ کو اس کی "امت وسط" کی حیثیت یاد دلائی گئی ہے۔ اور انہیں اپنے فرائض منصبی سے عہدہ برآ ہونے کی دعوت دی گئی ہے۔

چوتھے مضمون میں قوموں کے عروج و زوال کا فلسفہ بتایا گیا ہے۔ مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ جو قومیں اللہ کی بھیجی ہوئی ہدایت کو پسِ پشت ڈال دیتی ہیں، وہ انجام کار ذلت و تباہی کے گڈھے میں گر جاتی ہیں۔ پھر اُن پر نہ آسمان آنسو بہاتا ہے اور نہ زمین روتی ہے۔

پانچواں مضمون عقل کی ہٹ دھرمی پر ہے عقل اگر سلامت رہے تو وہ ہدایت کی توفیق پالیتی ہے۔ اور اگر ہٹ دھرمی پر ڈٹ جائے تو گمراہ ہوجاتی ہے۔

چھٹے مضمون میں "لااکراہ فی الدین" کی تشریح کرتے ہوئے لوگوں کو عقلِ سلیم استعمال کرکے دین کی سمجھ پیدا کرنے کی دعوت دی ہے۔

باقی ۱۲ مضمونوں میں سے قرآن کا تصورِ عدل، نشہ بندی، سود، توبہ اور آخرت کی جواب دہی پر اچھے مضمون ہیں۔

کتاب کے مولف سید امجد علی صاحب نے توبہ پر ہی پانچ مضمون دیئے ہیں جس سے توبہ کی اہمیت واضح ہوجاتی ہے۔

کتاب کی زبان اور طباعت اچھی ہے۔ اسلام پر انگریزی میں پڑھنے والوں کے لئے یہ ایک اچھا تحفہ ہے۔ (ادارہ)

اردو کی ترقی میں ہمارا حصہ

م۔ع باسط ایک ٹیچر ہیں۔ اخبارات اور رسالوں میں مختلف موضوعات پر مضامین لکھتے ہیں۔ انہوں نے سائنسی مضامین کی طرف خصوصی توجہ کی ہے اس میں وہ خاصے کامیاب رہے ہیں حقیقت بھی یہ ہے کہ اردو زبان میں سائنسی اور علمی زبان بننے کی اچھی صلاحیت ہے۔ باسط صاحب نے بہت سے علمی مضامین کا اردو ترجمہ شائع کرایا ہے۔ اور وہ مختلف اردو رسائل ماہناموں اور ڈائجسٹوں میں چھپتے رہتے ہیں۔

تراجم کا جہاں تک تعلق ہے، وہ متعلمین اور سائنسی مضامین کا شوق رکھنے والوں کے لئے مفید ہیں لیکن جہاں تک اردو کی حمایت میں مضامین کا سوال ہے اس کے لئے ہمارے خیال میں اخبارات زیادہ بہتر ذریعہ ہیں۔

اگر بات تلخ نہ ہوجائے تو ہمیں پوری کتاب دیکھ کر یہ اندازہ نہیں ہو سکا کہ ان منتشر اور وقتی مضامین کو یکجا کر کے شائع کرانے سے مصنف کے پیش نظر کیا فائدہ تھا۔

کتاب کے شروع میں ایک دیباچہ ہے، بقلم خود ——

باسط صاحب کی "انانیت کے ترنم سے"۔ یہ بات ہمیں اچھی نہیں معلوم ہوئی کہ آدمی خود اپنا قصیدہ پڑھے۔ کاش یہ کسی دوسرے کے قلم سے ہوتا۔ چاہے وہ نگارندہ باسط صاحب کا دوست ہی کیوں نہ ہوتا۔

انہی چند باتوں کے پیش نظر ہم اس کتاب کو نہ اردو کی کوئی حقیقی خدمت سمجھتے ہیں اور نہ خود حضرت م۔ع باسط کی اپنی ہی کوئی خدمت۔ اخبارات میں چھپنے والے مضمونوں کی طرح اردو کی یہ ایک وقتی خدمت ہے۔ (ادارہ)

ایمان اور خوش نصیبی (ابو سلیم محمد عبدالحی) ہر انسان سکون کا متلاشی ہے لیکن یہ صرف ایمان باللہ سے حاصل ہوسکتا ہے لیکن کیسے یہ کتاب پڑھ کر ہی معلوم ہوگا۔ قیمت ۱/۷۰

چند قرآنی اسباق

الفاظ کا ذخیرہ

اچھی زبان بولنے اور اچھی زبان لکھنے کے لئے ہر زبان میں مناسب الفاظ کی ضرورت پڑتی ہے۔ آپ کو جتنے اچھے الفاظ، ان کے معنی اور ان کا استعمال یاد ہوگا اتنا ہی آپ اچھی زبان لکھ اور بول سکتے ہیں، تو لیجئے یاد کیجئے۔

چشمک : (ف) مؤنث (۱) آنکھ کا اشارہ، جھپکی (۲) شکر رنجی۔

حیدر : (ع) مذکر (۱) حضرت علیؓ کا لقب (۲) پھاڑنے والا شیر

خم دار : (ف) ٹیڑھا، ترچھا، کج، پیچ دار، پیچیدہ۔

خوش طبع : (ف۔ ع) خوش رہنے والا، زندہ دل، ظریف

دغا : (ف) مؤنث۔ دھوکا، چھل، جھانسا، فریب۔

صراط : مؤنث (۱) راستہ۔ راہِ راست (۲) اہلِ اسلام کے عقائد کے مطابق ایک پل جو دوزخ اور بہشت کے درمیان بال سے باریک اور تلوار سے تیز بنا ہوا ہے۔ نیک لوگ اس پر بآسانی گزریں گے اور گنہگار کٹ کٹ کر دوزخ میں گر پڑیں گے۔

اولی الامر : (ع) مذکر۔ صاحبانِ حکم، بااختیار لوگ، حاکم۔

طناب : (ع) مؤنث۔ (۱) خیمے کی رسی (۲) رسی، ڈوری۔

طوائف الملوکی : (ع) مؤنث (۱) ہلچل، کھلبلی۔ غدر، بدانتظامی [illegible] (۲) بادشاہوں کی بدنظمی اور ناانصافی کے سبب نقصِ امن۔

نمط : (ع) مذکر۔ (۱) رنگین فرش، بچھونا (۲) دستور، طریق۔ ڈھنگ۔ وضع قطع۔

وضع : (ع) مؤنث (۱) رکھنا، ترتیب دینا، بنانا۔ (۲) ساخت۔ بناوٹ۔ (۳) طرز، روش، دستور، طور طریق۔ رنگ ڈھنگ، چال چلن، صورت شکل، فیشن (۴) حالت، درجہ، گت (۴) جننا، بچہ دینا (۵) بنیاد، نیو، بنا (۶) (ل) مجرا، وصول، منہا، تفریق، خارج (۷) آن، انداز، ادا (۸) پھبتی، موزوں اور چسپاں بات۔

فصیل : (ع) مؤنث۔ شہر پناہ، شہر کی چہار دیواری آبادی کو غیر آبادی سے جدا کرنے والی دیوار۔

حزب : (ع) مذکر (۱) جتھا، گروہ (۲) تقسیم (۳) ورد (۴) قرآنِ کریم کا ساٹھواں حصہ۔

تلمذ : (ع) مؤنث۔ شاگرد ہونا۔

باقیات الصالحات / باقیاتِ صالحات (ع) مؤنث۔ صدقۂ جاریہ، رفاہِ عام کے لئے کوئی کام، اولادِ صالح۔

اخگر : (ف) مذکر۔ انگارہ، آگ کا ڈلا۔